مقالہ نمبر ۲۰

صحیح بخاری میں پیش کردہ دلائل کی روشنی میں

افادات

فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ
سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری
استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

پیش لفظ

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد!

اسلام کے ابتدائی ایام میں جو فرقے پیدا ہوئے ان میں خوارج اپنے غلط افکار و اعمال اور اپنے موقف میں تعصب کے ساتھ دوسرے موقف کے خلاف تشدد اختیار کرنے میں بہت مشہور ہیں، یہ فرقہ نصوصِ قرآن و سنت کو غلط معنی پہنا تا تھا اور صحیح موقف رکھنے والوں کے خلاف زبان اور ہاتھ سے جارحیت اختیار کرنے کو جائز ہی نہیں ضروری سمجھتا تھا۔

ماضی قریب سے طبقۂ غیر مقلدین نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے وہ خوارج سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر اس جماعت کا احتساب نہ کیا گیا اور انھوں نے اپنی روش کو تبدیل نہ کیا تو یہ حضرات اپنی غلطیوں میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اپنے طبقہ کو بھی اور امت اسلمہ کو بھی زبردست نقصان میں مبتلا کر ڈالیں گے۔

ان لوگوں کی غلطیوں کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ جن فروعی مسائل میں ایک سے زائد طریقے ثابت بالسنۃ ہیں، یہ حضرات ان مسائل میں ایک جانب کو متعین کر کے دوسرے پہلو کے بارے میں زیغ وضلال، بدعت اور بسا اوقات کفر و شرک تک کا انتساب کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ جبکہ فروعی اور مجتہد فیہ مسائل میں اہلِ حق کا صحیح موقف یہ ہے کہ صحابہؓ، تابعین اور ائمہ کے اختیار کردہ تمام مذاہب حق ہیں اور ان میں سے کسی ایک جانب کو واجب قرار دے کر دوسرے پہلو کو کالعدم قرار دینا خطا بلکہ ضلال ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

الواجب علی کل مومن موالاۃ المومنین و علماء المومنین و ان یقصد

الحق ویتبعه، حیث وجده ویعلم ان من اجتهد فاصاب فله اجران و من اجتهد منهم فاخطأ فله، اجر لاجتهاده وخطؤه، مغفور له، وعلی المومنین ان یتبعوا امامهم اذا فعل مایسوغ، فان النبی ﷺ قال "انما جعل الامام لیوتم به" وسواء رفع یدیه او لم یرفع یدیه لایقدح ذلک فی صلوتهم ولایبطلها، لا عند ابی حنیفة ولا الشافعی ولامالک ولا احمد، ولو رفع الامام دون الماموم او الماموم دون الامام لم یقدح ذلک فی صلوة واحد منهما ولو رفع الرجل فی بعض الاوقات دون بعض لم یقدح ذلک فی صلاته ولیس لاحد ان یتخذ قول بعض العلماء شعاراً یوجب اتباعه وینهیٰ عن غیره مما جاء ت به السنة بل کل ماجاء ت به السنة فهو واسع مثل الاذان والاقامة فقد ثبت فی الصحیحین عن النبی ﷺ "انه امر بلالاً ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة" وثبت عنه فی الصحیحین "انه علم ابا محذورة الاقامة شفعا کالاذان" فمن شفع الاقامة فقد احسن و من افردها فقد احسن ومن اوجب هذا دون هذا فهو مخطئ ضال، ومن والیٰ من یفعل هذا دون هذا بمجرد ذلک فهو مخطئ ضال.

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲۲ ص ۲۵۴)

ہر بندۂ مومن پر عام اہل ایمان اور علماء سے محبت کرنا واجب ہے، اور حق، جہاں بھی ہو، اس کا مقصد اور اتباع کرنا واجب ہے اور یہ جاننا بھی واجب ہے کہ مجتہد مصیب کے لیے دو اجر ہیں اور اگر مجتہد سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو اس کو اجتہاد پر اجر ملتا ہے اور اس کی خطا کو معاف کر دیا جاتا ہے اور تمام اہل ایمان پر اپنے امام کا اتباع لازم ہے جب وہ ایسا عمل کرتا ہو جس کی شرعاً گنجائش ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انما جعل الامام لیوتم بہ فرمایا ہے، اور برابر ہے کہ امام رفع یدین کرے یا نہ کرے اس سے نمازیوں کی نماز میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ نماز باطل ہوتی ہے، نہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، نہ امام شافعیؒ کے نزدیک، نہ امام مالکؒ کے نزدیک اور نہ امام احمدؒ کے نزدیک۔ اور اگر امام رفع یدین کرے مقتدی نہ کرے یا مقتدی کرے امام نہ کرے تو اس سے ان میں کسی کی نماز میں

کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا اور اگر نماز ی بعض اوقات میں رفع یدین کرے بعض اوقات میں نہ کرے تو اس سے اس کی نماز میں کوئی نقصان نہیں، اور یہ کسی کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ بعض علماء کے قول کو ایسا شعار بنالے کہ اسی کے اتباع کو واجب قرار دے اور سنت میں مذکور دوسری جانب کو ممنوع قرار دے بلکہ سنت سے جو کچھ بھی ثابت ہے اس میں توسع ہے جیسے اذان واقامت کے بارے میں کہ صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو کلماتِ اذان میں شفع اور کلماتِ اقامت میں ایتار کا حکم دیا اور صحیحین ہی میں ہے کہ حضرت ابومحذورہؓ کو آپؐ نے کلماتِ اقامت میں اذان ہی کی طرح شفع کی تعلیم دی۔ اس لیے جو اقامت میں شفع کی صورت اختیار کرتا ہے وہ بھی صحیح اور اور جو افراد اختیار کرتا ہے وہ بھی صحیح ہے۔ اور جو شخص ان صورتوں میں سے ایک کو واجب کہے اور دوسری صورت کی اجازت نہ دے تو وہ خطا کار اور گمراہ ہے اور جو ان میں سے ایک عمل کرنے والے سے محبت کرے اور دوسرے سے محض اس وجہ سے محبت نہ کرے تو وہ خطا کار اور گمراہ ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے ایک جانب کو واجب قرار دے کر دوسری جانب کی گنجائش سے انکار کرنے کو خطا اور ضلال کہا ہے، بلکہ بعض فتاوی میں انھوں نے اس چیز کو **ھذا کلہ من الامور التی حرمھا اللہ و رسولہ** کہا ہے، لیکن اس دور کے غیر مقلدین اپنی لاعلمی یا ضد کی بنیاد پر ان فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے حدود سے اتنا تجاوز کر جاتے ہیں کہ ائمہ متبوعین کی شان میں گستاخی میں بھی انھیں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا، پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی زبانی سنئے:

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام ہی کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔" (غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں ص ۳۴)

رفع یدین کا مسئلہ عہد صحابہؓ سے اختلافی ہے۔ معدودے چند صحابہؓ رفع یدین کے قائل ہیں اور جمہور صحابہؓ کا عمل ترک رفع ہے۔ امام بخاری کا مسلک رفع یدین ہے، انھوں

نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ'' جز ء رفع الیدین'' تصنیف فرمایا ہے اور صحیح بخاری میں بھی ایک باب منعقد کیا ہے جس کے تحت دو روایات نقل فرمائی ہیں۔

زیرِ نظر رسالہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد قدس سرہٗ (سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند و سابق صدر جمعیۃ علماء ہند) کے درسی افادات پر مشتمل ہے جس میں امام بخاریؒ کی پیش کردہ روایات کی روشنی میں مسئلے کو منقح کیا گیا ہے کہ ان روایات سے رفع یدین ثابت ہے اور نفسِ ثبوت کا کوئی منکر بھی نہیں ہے لیکن رفع یدین کی ترجیح پر ان روایات سے استدلال ناتمام ہے، پھر اس موضوع پر دیگر دلائل بھی زیرِ بحث آئے ہیں جن سے ترکِ رفع کی اولویت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے زیرِ اہتمام تحفظِ سنت کانفرنس (منعقدہ ۲-۳ رمئی ۲۰۰۱ء) کے موقع پر مرکز المعارف، ہوجائی، آسام اس رسالہ کو شائع کر رہا ہے، دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے فضل و کرم سے اس تحریر کو اپنی بارگاہ میں قبولِ حسن اور اہلِ علم کے درمیان قبولِ عام عطا کرے اور تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔

والحمد لله اوّلاً و آخراً

ریاست علی غفرلہٗ
استاذ دارالعلوم دیوبند

باب رفع اليدين فى التكبيرة الاولىٰ مع الافتتاح سواء

تکبیر اولیٰ (تحریمہ) میں نماز شروع کرنے کے بالکل ساتھ ساتھ ہاتھ اٹھانے کا بیان

حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالك، عن ابن شهاب، عن سالم بن عبدالله، عن ابيه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوٰة واذا كبّر للركوع، واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذالك ايضا، وقال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد وكان لايفعل ذلك فى السجود.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں مونڈھوں تک اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے، اور جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو بھی دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے اور سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد کہتے اور آپ سجدہ میں اس طرح نہیں کیا کرتے تھے۔

مقصد ترجمہ

پہلے باب میں بتلایا تھا کہ نماز کے افتتاح میں اصل تکبیر ہے اور اسی لیے وہ واجب ہے، رفع یدین اصل نہیں کہ وہ سنت ہے، اب اس باب میں وہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ اور رفع یدین میں معیت ہونی چاہیے۔ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اُٹھائے جائیں گے، اس کے لیے بخاری نے سواء کی تعبیر اختیار کی کہ دونوں عمل برابر برابر کیئے جائیں گے۔

گویا امام بخاری نے اس مسئلہ میں شوافع کی موافقت کی، ان کے یہاں راجح یہی ہے کہ تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جائے گا، لیکن حنفیہ کے یہاں راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے جائیں پھر تکبیر کہی جائے گی، روایات دونوں کے پاس ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قام الی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا بحذاء منکبیه ثم کبر کہ پہلے آپ مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر تکبیر کہتے تھے، درایت کا تقاضہ بھی یہی ہے، صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ہاتھ اٹھانا، غیر اللہ سے کبریائی کی نفی کرتا ہے اور تکبیر کہنا، خدا کے لیے کبریائی کو ثابت کرتا ہے، اور نفی، اثبات پر مقدم ہے جیسے لا الــه الا الـلـه میں پہلے نفی ہے، پھر اثبات ہے، اس لیے رفع یدین کو تکبیر سے مقدم ہونا چاہیے۔

تشریح حدیث

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا افتتاح فرماتے تو مونڈھوں تک اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، بس اسی لفظ یعنی اذا افتتــح الـصـلـوٰة سے امام بخاری کا ترجمۃ الباب ثابت ہے، اور اس سے بھی واضح بات چند روایات کے بعد آ رہی ہے جس میں رفـع یـدیه حین یکبر مذکور ہے۔ بہر حال روایت سے معیت اور مقارنت بھی ثابت ہے۔

روایت میں رفع یدین کے تین مقامات کا ذکر ہے، تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے، تکبیر تحریمہ کے علاوہ ان دونوں مقامات پر رفع یدین ثابت ہے۔ اور صحابۂ کرام کا اس پر عمل بھی ہے لیکن امام بخاری نے یہ مسئلہ اگلے باب میں پیش کیا ہے اس لیے ہم انصاف کے ساتھ اس مسئلے کو وہیں بیان کریں گے۔

رفع یدین کی حکمت

تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی ایک حکمت تو وہ ہے جو صاحب ہدایہ نے بیان کی، دیگر علماء سے مزید حکمتیں منقول ہیں، امام شافعی سے ربیع نے رفع یدین کے بارے میں

پوچھا تو فرمایا اس کی حقیقت ہے، خدا کی عظمت کا اعتراف، اور پیغمبر علیہ السلام کی سنت کا اتباع، کسی نے کہا اس کی حکمت ہے، دنیا کو پس پشت ڈال کر صرف خدا کی عبادت کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار، اور صاحب بدائع کہتے ہیں کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ بہروں کو بھی نماز کے افتتاح کا علم ہو جائے کیونکہ نماز کے دیگر انتقالات کا علم تو نمازیوں کو دیکھ کر حاصل ہو جاتا ہے اور حالت استواء میں جہاں جہاں نمازیوں کو دیکھ کر علم نہیں ہوسکتا، وہیں وہیں رفع یدین کے ذریعے بہروں کو باخبر کرنے کی اہمیت بڑھ گئی ہے جیسے عیدین میں تکبیرات زوائد، اور قنوت وتر کے لیے کہی جانے والی تکبیر، صاحب بدائع کی بیان کردہ حکمت، حنفیہ کے ذوق کے مطابق ہے، لیکن حدیث میں مزید جن دو مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے، ان کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد طویل قیام رہا، اب نماز کے دوسرے رکن یعنی رکوع میں جا رہے ہیں، اس لیے نمازی کو چوکنا اور متوجہ کرنے کے لیے ہاتھ اُٹھائے گئے، پھر رکوع سے سر اٹھایا تو نماز کے تیسرے سب سے اہم رکن سجدہ کی تیاری ہے، اس لیے پھر طبیعت کو بیدار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھائے گئے، یعنی ان ارکان میں زبان سے جس خالق کی تسبیحات پڑھو گے تو قول کے ساتھ اپنے عمل سے بھی اس کی عظمت کا اعتراف کرو وغیرہ۔ ابتداء میں یہ عمل جاری تھا، بعد میں بھی کبھی کبھی اس پر عمل ہوتا رہا، لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر عمل کیا تھا، اور خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام تابعین اور اسلاف کے یہاں کس عمل کی کثرت ہے، یہ اگلے باب کا مسئلہ ہے۔

باب رفع اليدين اذا كبر واذا ركع واذا رفع

تکبیر تحریمہ کے وقت رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھانے کا بیان

حدثنا محمد بن مقاتل، قال: اخبرنا عبدالله بن المبارک قال: اخبرنا يونس عن الزهري، قال اخبرني سالم بن عبدالله، عن عبدالله بن عمر قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قام في الصلوٰة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلک حين يكبر للركوع ويفعل

ذلک اذا رفع رأسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلک في السجود.

حدثنا اسحاق الواسطیٰ، قال: حدثنا خالد بن عبدالله، عن خالد، عن ابی قلابة انه رأیٰ مالک بن الحويرث اذا صلّی کبّر ورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه واذا رفع راسه من الركوع رفع يديه وحدّث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم صنع هکذا.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، یہاں تک کہ ہاتھ مونڈھوں کے برابر ہوجاتے، اور جب آپ رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو بھی آپ یہی رفع کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی ایسا ہی کرتے تھے اور سمع الله لمن حمده کہتے تھے اور آپ یہ عمل سجدہ میں نہیں کرتے تھے، ابو قلابہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت مالک بن الحویرث کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو الله اکبر کہتے اور رفع یدین کرتے اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، اور انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا۔

مقصدِ ترجمہ

مقصد بالکل واضح ہے کہ تکبیر تحریمہ منعقد کرتے ہوئے، رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین سنت ہے، امام بخاری کا مسلک یہی ہے، اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل رسالہ "جزء رفع اليدين" تصنیف کیا ہے جس میں انھوں نے رفع یدین کا انکار کرنے والوں یا اس کو بدعت کہنے والوں کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ رفع یدین کو بدعت کہنا صحابۂ کرام اور ان کے بعد آنے والے اسلاف پر طعن کرنے کے مرادف ہے اور یہ کہ ترک رفع کرنے والے جیسے سفیان ثوری، وکیع اور اہل کوفہ بھی رفع یدین کرنے والوں پر خفگی کا اظہار نہیں کرتے، وغیرہ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام

بخاری کا رسالہ بھی انصاف کا حامل ہونے کے بجائے مناظرانہ رنگ لیے ہوئے ہے اور وہ ترکِ رفع کرنے والوں کی تردید کے سلسلے میں حد سے تجاوز فرما گئے ہیں حیرت ہوتی ہے کہ وہ ترکِ رفع کی کوئی گنجائش ہی نہیں سمجھتے، اُن کا دعویٰ ہے کہ ترکِ رفع حدیث سے ثابت نہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ دونوں مسلک حدیث ہی سے ثابت ہیں، اور کتنے ہی صحابۂ کرام، تابعین اور جلیل القدر ائمہ، فقہاء اور محدثین ترکِ رفع کی ترجیح کے قائل ہیں۔

مسئلہ کی نوعیت

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں دونوں فریق کے راہِ اعتدال سے تجاوز کر کے مناظرانہ انداز اختیار کرنے کے سبب یہ مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا، پھر عصر حاضر کی ادب واحترام سے محروم ایک جماعت کی جارحیت کے سبب ہندوستان میں اس مسئلہ کو مزید اہمیت حاصل ہوگئی، ورنہ ائمۂ مجتہدین کے درمیان تو اس مسئلہ میں اختلاف محض اولیٰ وغیر اولیٰ یا افضل و مفضول کا ہے۔ جن ائمہ نے رفع یدین کو راجح قرار دیا ہے ان کے یہاں ترکِ رفع بھی جائز ہے اور جن ائمہ کا مسلک مختار ترکِ رفع ہے، ان کے یہاں رفع یدین بھی مباح ہے۔ حضرت گنگوہی سے اس مسئلہ میں سوال کیا گیا تو تحریر فرمایا کہ "میرا مسلک ترکِ رفع کا ہے جیسا کہ قدماءِ حنفیہ نے فرمایا ہے اور طعن بندے کے نزدیک کسی پر روا نہیں کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور احادیث دونوں طرف موجود ہیں اور عمل صحابہ بھی اور قوت وضعف مختلف ہوتے ہیں، بالآخر دونوں معمول بہا ہیں" ("فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۶۴") حضرت گنگوہی کی تحریر سے اکابر دیوبند کا ذوق معلوم ہوگیا کہ یہ متقدمین کے شدت پسند طبقہ سے دور تر ہیں اور ان میں سے اعتدال پسند طبقے کے رجحانات کے حامل ہیں جیسے چوتھی صدی کے مشہور مفسر اور حنفی فقیہ امام ابوبکر جصاص (المتوفی ۳۷۰ھ) نے احکام القرآن میں کتب علیکم الصیام کے تحت رویتِ ہلال پر بحث کرتے ہوئے یہ اصول بیان کیا ہے کہ عوامی ضرورت اور فرض درجہ کے احکام کے ثبوت کے لیے خبر مستفیض کی ضرورت ہے اور اگر مسئلہ مسلمانوں کی عام ضرورت سے متعلق نہ ہو اور حکم بھی فرض کے درجے میں نہ ہو تو وہاں خبر مستفیض پر انحصار نہیں، اخبار احاد سے بھی یہ احکام ثابت ہوسکتے ہیں۔ اور ایسے مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف

عموماً افضل وغیر افضل کا ہوتا ہے، پھر انھوں نے اس کی مثال میں کلماتِ اذان واقامت میں اختلاف، رکوع میں جاتے وقت رفع یدین، تکبیراتِ عیدین وغیرہ کا شمار کیا ہے (احکام القرآن جلد ا ص ۴، ۲۰۳) معلوم ہوا کہ فقہاء شافعیہ میں جن لوگوں نے ترکِ رفع پر فساد یا فقہاء احناف میں جن لوگوں نے رفع یدین پر کراہت کی کوئی بات کہی ہے وہ بیجا تشدد پر مبنی ہے اور اکابر دیوبند کے ذوقِ اعتدال کے منافی ہے۔

بیانِ مذاہب

تکبیر تحریمہ کے وقت تو رفع یدین کے ثبوت اور عمل پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح رکوع کے بعد سجدے میں جاتے وقت، اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین پر روایات سے ثابت ہونے کے باوجود ائمہ اور جمہور کے نزدیک عمل نہیں ہے، البتہ رکوع میں جاتے وقت، اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کے مسئلہ میں اختلاف ہوگیا، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اپنی مشہور اور مفتی بہ روایت کے مطابق ترکِ رفع کے قائل ہیں، بہت سے صحابہؓ تابعینؒ اور فقہاء کا مسلک یہی ہے، امام ترمذیؒ نے فرمایا **وبہ یقول غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفہ** ۔ اور امام شافعی اور امام احمدؒ رفع یدین کے قائل ہیں، اور متعدد صحابہ و تابعین اور عام محدثین کا مسلک یہی ہے۔

تشریح احادیث

امام بخاری نے باب کے ذیل میں دو روایتیں ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے اور دوسری روایت حضرت مالکؓ بن الحویرث سے ہے، ان دونوں روایتوں میں یہ ذکر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے وقت بھی رفع یدین فرمایا اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تو دُہرایست مذکور ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مواقع پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا، اور حضرت مالکؓ بن الحویرث کی روایت میں

صنع کا لفظ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کیا، اتنی بات سے کسی کو اختلاف یا انکار نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر علیہ السلام سے رفع یدین ثابت ہے لیکن رفع یدین کی ترجیح پر استدلال کے لیے اتنی بات کافی نہیں ہے، کیونکہ ابن عمر کی روایت میں مذکور "رأیــت" یا مالک بن الحویرث کی روایت میں مذکور "صــنـع" کا تقاضا تو تکرار بھی نہیں ہے، اگر ابن عمرؓ نے ایک بار دیکھا یا آپ نے ایک بار بھی یہ عمل کیا تو رأیت یا صنع کہنا صحیح ہے۔

گویا حضرت ابن عمرؓ اور حضرت مالکؓ کی روایات سے صرف یہ ثابت ہوا کہ ان تینوں مواقع پر رفع یدین ہوا ہے، لیکن یہ بات ان روایات سے کسی طرح ثابت نہیں کی جاسکتی کہ اس فعل پر مداومت کے ساتھ عمل کیا گیا، نیز یہ ثابت کرنا بھی ممکن نہیں کہ یہ عمل پیغمبر علیہ السلام کا آخری عمل تھا اگر روایات سے یہ ثابت کیا جاسکتا کہ پیغمبر علیہ السلام نے رفع یدین پر مداومت کی یا یہ آپ کا آخری عمل تھا تو استدلال کیا جاسکتا تھا کہ ترک رفع ناجائز یا خلاف سنت ہے یا مرجوح ہے، لیکن جب روایتیں ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کا بھی پتہ نہیں دے رہی ہیں تو اس سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوا جس کے لیے امام بخاری نے انھیں یہاں ذکر فرمایا ہے:

دوامِ رفع پر استدلال کا جائزہ

امام بخاری کی ذکر کردہ روایاتِ باب سے تو مقصد ثابت نہیں ہوسکتا، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں کــان یــرفــع کے الفاظ بھی ہیں، جن سے استمرار پر استدلال کیا جاسکتا ہے، تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حدیثِ پاک میں کان یفعل سے استمرار کا ثبوت ضروری نہیں، اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بھی کوئی عمل کیا ہے تو راوی اس کو کــان یـفـعل سے تعبیر کردیتا ہے، امام نووی نے متعدد مقامات پر اس کی وضاحت کی ہے، جیسے باب صلوۃ اللیل (مسلم جلد ا، ص ۲۵۴) میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کـان یـصـلـی ثلث عشرۃ رکعۃ، یصلی ثمان رکعات ثم یوتر ثم یـصـلـی رکعتین وھو جالس '' کان یصلی'' سے استمرار کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے لیکن نووی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے وتر کے بعد دو رکعتوں کا جواز معلوم ہوا کیونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مواظبت نہیں فرمائی، بلکہ یہ فعل آپ سے ایک دو بار یا چند بار ثابت ہے اس کے بعد فرماتے ہیں۔

ولا تغتر بقولها "كان يصلى" فان المختار الذى عليه الاكثرون والمحققون من الاصوليين ان لفظة كان لايلزم منها الدوام ولا التكرار. الخ (مسلم جلد ۱ ص ۲۵۴)

اور تمھیں حضرت عائشہؓ کے قول ''کان یصلی'' سے دھوکا نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ اکثر علماء اور علم اصول کے ارباب تحقیق کا مسلک مختار یہ ہے کہ لفظ ''کان'' سے نہ دوام لازم آتا ہے اور نہ تکرار۔ الخ۔

پھر انھوں نے لکھا کہ یہ تعبیر اپنی اصل وضع کے اعتبار سے دوام و تکرار کا تقاضہ نہیں کرتی، پھر انھوں نے مثال دے کر اس کی مزید وضاحت کی۔

اس لیے پہلی بات تو یہ ہے "كان يرفع" سے دوام پر استدلال ممکن ہی نہیں، محض استمرار پر بھی استدلال کرنا کمزور بات ہے، اس کو اردو زبان میں یوں سمجھئے کہ "كان يفعل" کا ترجمہ ہوا، آپ ایسا کیا کرتے تھے، اب ایسا کرنا علی الدوام تھا، یا اکثریت کے ساتھ تھا، یا گاہے گاہے تھا، كان يفعل ہر صورت میں صادق ہے۔ لیکن اگر ہم آپ کی رعایت سے یا خارجی دلیل کے سبب استمرار پر دلالت تسلیم بھی کرلیں تو دوسری بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا ہی ثبوت تو فراہم ہوا کہ یہ عمل دسیوں بار ہوا یا سینکڑوں بار ہوا، لیکن اتنی بات سے مقصد ثابت نہیں ہوتا، مقصد یعنی رفع یدین کی ترجیح، تو وہ اس عمل کے دوام پر نیز رفع یدین کے آخر حیات تک برقرار رہنے، یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہونے کے ثبوت پر موقوف ہے۔ اور یہ باتیں اس روایت سے کیا کسی بھی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔

بیہقی کا اضافہ

البتہ اس سلسلے میں اس اضافہ کو پیش کیا جا سکتا ہے جو بیہقی نے ابن عمرؓ کی روایت میں کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **فما زالت تلك صلوته حتىٰ لقى الله تعالىٰ** یعنی یہ

کہ آپ وفات تک نماز کو اسی طرح پڑھتے رہے، یہ اضافہ اگرچہ سنن بیہقی میں نہیں ہے، بیہقی کی ''خلافیات'' میں ہے لیکن معتبر لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے، قاضی شوکانی نے پہلے حضرت ابن عمر کی روایت ذکر کی، پھر بیہقی کے اس اضافہ کو مقامِ استدلال میں ذکر کیا، پھر ابن مدینی کی یہ بات نقل کی **هـذا الـحـديـث عـنـدی حجة علی الخلق، كل من سـمـعـه فعليه ان يعمل به لانه ليس فی اسناده شئی** کہ یہ حدیث میرے نزدیک اس مسئلہ میں ساری دنیا کے لیے حجت ہے، جو بھی اس کو سنے اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی سند میں کوئی کمی نہیں ہے۔

قاضی شوکانی کی قائم کردہ ترتیب سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ابن مدینیؒ بیہقی کے اضافہ کی بھی توثیق کر رہے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہوسکتا، ابن مدینی اس روایت کے بارے میں تو سب کچھ کہہ سکتے ہیں جس میں یہ اضافہ نہیں، اس کی شیخین نے بھی تخریج کی ہے، لیکن بیہقی کے اضافے کے بارے میں وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی سند میں کوئی کلام نہیں، اس اضافہ کے بارے میں تو ضعیف ہی نہیں موضوع ہونے تک کا دعویٰ کیا گیا ہے کیونکہ یہ اضافہ جن رواۃ کے ذریعہ آ رہا ہے ان میں دو راوی۔ ایک عصمۃ بن محمد انصاری اور دوسرے عبدالرحمٰن بن قریش۔ پر بہت زیادہ کلام کیا گیا ہے، عصمۃ بن محمد انصاری کے بارے میں ابو حاتم نے کہا ''لیس بقوی'' یحییٰ بن معین نے کہا کہ یہ کذاب ہیں، حدیث وضع کرتے ہیں، عقیلی نے کہا کہ یہ ثقات کی جانب سے باطل روایت نقل کرتے ہیں، دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک ہیں، ابن عدی نے کہا کہ ان کی تمام روایات غیر محفوظ ہیں۔ اسی طرح دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن قریش کو سلیمانی نے متہم بالوضع قرار دیا ہے، وغیرہ، غور کرنے کی بات ہے کہ جب اضافہ کے رواۃ کا یہ حال ہے تو ابن مدینی کیسے اس کو خلقِ خداوندی پر حجت قرار دے سکتے ہیں؟ یقینی بات ہے کہ اُن کی یہ بات اصل روایت کے بارے میں ہے، اور اس سے رفع کی ترجیح پر استدلال تام نہیں ہے۔

روایت میں قابلِ غور پہلو

یہاں تک یہ بات صاف ہوگئی کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صرف اتنی بات

معلوم ہوئی کہ رفع یدین کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ترکِ رفع کا عمل بھی ثابت ہے۔اور یہ ایسی بات ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں،البتہ رفع کی ترجیح کے لیے جس دوام واستمرار اور آخر عمر تک اس کے برقرار رہنے کی صراحت کی ضرورت ہے وہ کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں گویا جتنی بات معتبر روایات سے ثابت ہے اس سے بات نہیں بنتی اور بات بنانے یعنی رفع کی ترجیح کو ثابت کرنے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ روایت میں موجود نہیں، پھر یہ کہ روایت اگر چہ مختلف سندوں کے ساتھ تمام کتابوں میں مذکور ہے اور سند بھی نہایت شاندار ہے سلسلۃ الذہب کے نام سے موسوم ہے لیکن اس کے باوجود روایت میں کئی قابلِ غور پہلو ہیں اور یہ باتیں صرف ہمیں کو نہیں سب کو کھٹکتی ہیں اور دیکھنے والا حیران ہوجاتا ہے کہ کیا صورت اختیار کرے۔

(۱) رفع اور وقف میں اختلاف

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے، سالم اس کو مرفوعاً بیان کرتے ہیں اور نافع موقوف کہتے ہیں، نیز نافع کی روایت کے موقوف یا مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے، امام بخاری مرفوع ہونے کو اور امام ابوداؤد موقوف ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس اختلاف میں ان حضرات نے اگر چہ سالم کو ترجیح دی ہے لیکن یہ کلّیہ نہیں ہے، سالم اور نافع میں اسی طرح کا اختلاف چار روایات میں ہے اور ان میں نافع کو ترجیح دینے والے بھی موجود ہیں، سالم حضرت ابن عمر کے صاحبزادے ہیں اور نافع مولیٰ جنھیں ابن عمر کی صحبت اور خدمت میں زیادہ دخل تھا، پھر یہ کہ رفع و وقف کا یہ اختلاف غیر اہم نہیں ہے، حافظ اَصیلی نے تو یہ لکھا ہے کہ امام مالک کے اس روایت کو نہ لینے کی وجہ یہی ہے کہ یہ موقوف ہے، کہتے ہیں۔

ولم یاخذبه مالک، لان نافعاوقفه علی ابن عمر (نیل الفرقدین ص ۱۴۱)

امام مالکؒ نے اس روایت کو نہیں لیا، کیونکہ نافع نے اس کو ابن عمر پر موقوف کیا ہے۔

زرقانی نے بھی یہی لکھا ہے کہ امام مالک کے اس روایت کو اختیار نہ کرنے کی وجہ رفع و

وقف میں اختلاف ہے۔

قال الزرقانی وبه یعلم تحامل الحافظ فی قوله: لم ارللما لكية دليلا علی تركه ولا متمسكا الاقول ابن القاسم لانه لما اختلف فی رفعه ووقفه ترک مالک فی المشهور القول باستحباب ذلک لان الاصل صيانة الصلوة عن الافعال (زرقانی جلد ۱، ص ۱۴۳)

زرقانی نے کہا، اس بحث سے معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ کہہ کر ''کہ مجھے رفع یدین کے ترک کے لیے مالکیہ کے پاس کوئی دلیل اور بنیاد، ابن القاسم کے قول کے علاوہ نہیں ملی'' غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا اس لیے کہ جب روایت میں رفع اور وقف کا اختلاف ثابت ہوا تو امام مالک نے مشہور قول کے مطابق اس کو ترک کر دیا، کیونکہ نماز کو (غیر ثابت) افعال سے محفوظ رکھنا اصل ہے۔

(۲) مواضع رفع میں اختلاف

ابن عمرؓ کی روایت میں دوسرا قابلِ غور اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں مواضع رفع میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اس کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب کہتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں چھ طرح کی روایات منقول ہیں:

(۱) بعض روایات میں صرف ایک مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع ہے، جیسا کہ مالکیہ کی معتبر کتاب **المدونة الكبرى**، (جلد ۱، ص ۶۹) میں ہے، اس روایت میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ترکِ رفع یا رفع کا ذکر نہیں، مگر مدونہ میں اس روایت کو ترکِ رفع کی دلیل کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس کی سند (ابن وہب) **عن مالک بن انس عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن ابيه الخ** مذکور ہے، نیز یہ کہ مسند حمیدی میں یہی روایت رکوع اور رکوع سے اُٹھتے وقت ترکِ رفع کی تصریح کے ساتھ ابن شہاب زہری کی سند کے ساتھ اس طرح ہے **حدثنا الحميدی قال حدثنا سفيان بن عيينة قال حدثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبدالله عن ابيه قال رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه،**

و اذا ارادان یر کع و بعدما یرفع راسه من الرکوع فلایرفع ولابین السجدتین (مسند حمیدی[1] قلمی ص ۲۷) اس روایت میں ان دونوں مقامات پر ترکِ رفع کی تصریح ہے، مزید یہ کہ مسند ابی عوانہ میں بھی یہی روایت سفیان بن عیینہ سے اسی سند کے ساتھ اس طرح ہے۔ سفیان بن عیینة عن الزهری عن سالم عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی بهما وقال بعضهم حذو منکبیه واذا ارادان یرکع وبعد مایرفع راسه من الرکوع لایرفعهما (مسند ابی عوانہ جلد ۲، ص ۹۰)

(۲) بعض روایت میں دو جگہ، یعنی تکبیر تحریمہ اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع ہے، جیسا کہ موطاامام مالک میں ہے اور اس کی متابعت میں متعدد لوگوں کی روایات ہیں۔

(۳) بعض روایات میں تین جگہ، یعنی تکبیر تحریمہ، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع ہے، جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔

(۴) بعض روایات میں چار جگہ، یعنی مذکورہ بالا تین مقامات کے علاوہ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع مذکور ہے، یہ روایت بخاری کے اسی صفحہ پر ہے اور امام بخاری نے اس پر مستقل ترجمہ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین منعقد کیا ہے۔

(۵) بعض روایات میں مذکورہ بالا چار مقامات کے علاوہ پانچویں جگہ یعنی سجدہ میں جاتے وقت بھی رفع مذکور ہے۔ یہ روایت بخاری کے جزر فع الیدین میں ہے۔

(۶) بعض روایات میں ان پانچ مقامات پر انحصار نہیں، بلکہ ہر انتقال یعنی ہر قیام وقعود اور ہر خفض ورفع کے وقت رفع یدین کی صراحت ہے، اس روایت کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں طحاوی کی مشکل الآثار کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر شذوذ کا حکم بھی لگایا ہے لیکن اس شذوذ کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت اگر چہ سند کے اعتبار سے یقیناً صحیح ہے لیکن

---

[1] یہ روایت مسند حمیدی کے قلمی نسخہ سے نقل کی گئی ہے جو دارالعلوم کے کتب خانہ (نمبر ترتیب ۹۵ پ) میں محفوظ ہے۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ مسند حمیدی کے مطبوعہ نسخے میں کتابت کی غلطی سے سفیان بن عیینہ کا نام چھوٹ گیا ہے اور اس میں حدثنا الحمیدی قال حدثنا الزهری الخ ہے۔ (مرتب)

اس میں چھ طرح کی مختلف روایات کے سبب اضطراب پایا جاتا ہے، جس کو ختم کرنا ممکن ہی نہیں، یعنی یہ ممکن نہیں کہ ایک روایت کے علاوہ بقیہ تمام روایات کو ساقط اور کالعدم قرار دے دیا جائے، پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک روایت کو لیا جائے اور بقیہ تمام روایات کو نظر انداز کر دیا جائے، یہ بھی تو ہوسکتا ہے بلکہ یہی واقعہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل میں تنوع رہا ہو، اور حضرت ابن عمرؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے انداز پر عمل کرتے دیکھا ہوان کو نقل کر دیا ہو۔ اور اس طرح حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے جس طرح فعل رفع کو لیا جارہا ہے، اسی طرح ان کی روایت سے ترک رفع کو بھی لیا جاسکتا ہے۔

(۳) حضرت ابن عمرؓ کے عمل میں اختلاف

حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا تیسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے اس سلسلے میں مختلف عمل منقول ہیں، تین مقامات پر رفع کا عمل بھی ثابت ہے اور تین سے زائد مقامات پر بھی رفع کا عمل آپ کی روایات سے ثابت ہے، ابن حزم نے اپنی ایسی سند کے ساتھ جس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں۔ ھذا اسناد لاداخلة فيه۔ اس سند میں کوئی عیب نہیں۔ نقل کیا ہے۔ انه كان يرفع يديه اذ دخل في الصلوة واذاركع واذا قال سمع الله لمن حمده، واذا سجد وبين الركعتين۔ یعنی ابن عمرؓ تحریمہ کے وقت، رکوع میں جاتے وقت، سمع الله لمن حمده کہتے وقت، سجدے میں جاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

نیز یہ کہ حضرت ابن عمرؓ سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ تمام مقامات پر ترک رفع بھی ثابت ہے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بسند صحیح و متصل نقل کیا ہے۔

عن مجاهدقال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الافي التكبيرة الاولىٰ من الصلوة (طحاوی جلد ا، ص۱۵۵)

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے نماز کی تکبیر اولیٰ کے علاوہ کسی موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی مارأيت ابن عمر يرفع يديه الافي اول مايفتتح

(یعنی جلد ۵، ص ۳۷۲) موجود ہے، اس کی سند بھی صحیح ہے۔

امام طحاوی نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ فعل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جب حضرت ابن عمرؓ کے علم میں رفع یدین کا نسخ آ گیا ہو، پھر یہ بھی لکھا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مجاہد کے اس بیان کے مقابل طاؤس کا بیان بھی ہے کہ ابن عمرؓ رفع یدین کیا کرتے تھے تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ طاؤس کا بیان، ترک رفع پر دلیل قائم ہونے سے پہلے کا ہوسکتا ہے۔ طحاوی کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عمرؓ پہلے رفع یدین کرتے تھے، جب ترکِ رفع کی بات محقق ہوگئی تو آپ نے رفع یدین کے عمل کو چھوڑ دیا۔

لیکن ہمارے خیال میں اس سے قریب احتمال یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نہ رفع یدین مداومت سے کرتے تھے، نہ ترکِ رفع، دونوں پر وقتاً فوقتاً عمل کرتے رہتے تھے، جس شاگرد نے جو عمل دیکھا اس کو نقل کر دیا، مجاہد بھی جلیل القدر ثقاتِ تابعین میں ہیں، ان کی پیدائش ۲۱ھ کی ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی ہے، گویا ابن عمرؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۵۲ سال کی تھی، ابن عمرؓ سے ان کا خدمت گذاری کا تعلق تھا، بسا اوقات ان کی رکاب تھام کر چلتے تھے، مجاہد کا بیان (البدائع جلد ا، ص ۲۰۸) میں تو یہ نقل کیا ہے کہ میں نے دو سال تک ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، مدتوں خدمت میں رہنے والا قریبی شاگرد جب یہ بیان کرے کہ میں نے تو تکبیر تحریمہ کے علاوہ ابن عمرؓ کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا تو یہی کہنا پڑے گا کہ ترکِ رفع بھی ابن عمر سے کثرت کے ساتھ ثابت ہے۔ گویا رفع کرتے تو مہینوں کرتے رہتے اور ترک رفع کرتے تو اس پر مہینوں عمل کرتے رہتے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ روزہ رکھتے تو رکھتے چلے جاتے، اندازہ ہوتا کہ شاید اس مہینہ میں بے روزہ نہ رہیں گے، اور کبھی روزہ نہ رکھتے تو اتنا عرصہ گذر جاتا کہ ام المومنین کو خیال ہوتا کہ شاید اس مہینے میں آپ روزہ نہ رکھیں گے، اس لیے ہمیں تو محاذ قائم کرنے کے بجائے سلامت روی کا راستہ ہی پسند ہے کہ ابن عمرؓ کا عمل دونوں طرح کا رہا ہوگا۔

(۴) روایتِ ابن عمرؓ میں ترکِ رفع کے اشارے

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں چوتھا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اگر وہ نماز کی پوری تفصیلی کیفیت بیان فرماتے اور اس تفصیل میں ایک جز رفع یدین بھی ہوتا تو اس کی نوعیت دوسری ہوتی اور سمجھا جا سکتا تھا کہ یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے لیکن اس روایت میں یہ صورت نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ تمام تفصیلات کو ترک کر کے صرف ایک جز رفع یدین کو نقل کر رہے ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان اس کی نفی بھی فرما رہے ہیں، جبکہ یہ ایک ایسا جز ہے کہ اگر عہدِ رسالت میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اس عمل کی مداومت تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ روزانہ فرض کی سترہ رکعتوں میں ۳۴ مرتبہ یہ عمل ہوتا تھا اور اگر سنن و نوافل کو بھی شامل کر لیا جائے تو روزانہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو جائے گی، پھر جب یہ عمل اتنی کثرت سے کیا جا رہا تھا تو نماز کی تمام کیفیات سے صرف نظر کر کے صرف اسی جز کو اہمیت سے بیان کرنا بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی تمام کیفیات کو چھوڑ کر یہ بیان کرے کہ عہدِ رسالت میں ہر رکعت میں دو سجدے ہوا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ خاص صورتِ حال اور مخصوص داعیہ کے بغیر ایسی بات کا نقل کرنا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے، اس لیے روایت میں ہر باذوق انسان کے لیے اشارہ واضح طور پر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ خصوصی احوال کے تقاضے میں اس پر زور صرف فرماتے رہے، اور وہ خصوصی احوال یہ تھے کہ اس زمانہ میں رفع یدین کا عمل بالکل گوشۂ خمول میں چلا گیا تھا، ابن عمرؓ نے اس کی طرف خصوصی توجہات مبذول فرمائیں تاکہ وہ چیز بالکل متروک نہ ہو جائے جسے وہ سنت سمجھ رہے ہیں۔

اس صورتِ حال کا واضح ثبوت یہ ہے کہ رفع یدین کے احیاء کے سلسلے میں حضرت ابن عمرؓ کی کوششوں کے باوجود امام مالکؒ کے زمانہ تک تو مدینہ طیبہ میں اس پر عمل کرنے والے اقلیت ہی میں تھے، اور اسی لیے امام مالک نے رفع یدین کو تعاملِ اہلِ مدینہ کے مطابق نہ ہونے کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جیسا کہ ابن رشد وغیرہ کے حوالہ سے بات گذر چکی ہے، مگر حضرت ابن عمرؓ کی ان تمام کوششوں کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اس پر عمل کرنے والے کچھ نہ

کچھ پیدا ہو گئے۔

عہدِ صحابہؓ میں ابن عمرؓ کے عمل کی ایک مثال

صحابۂ کرامؓ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ انھوں نے کسی عمل میں کوتاہی محسوس کی تو اس کی اصلاح کے لیے خصوصی توجہ صرف کی، نمازوں میں تکبیرات انتقال کا مسئلہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ جس میں حضرت ابو ہریرہؓ پیش پیش نظر آتے ہیں، نووی نے لکھا ہے کہ تکبیرات انتقال کی مشروعیت پر آج تمام علماء کرام کا اتفاق ہے، اور متقدمین کے زمانے سے ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف رہا، کیونکہ اس وقت بعض لوگ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی تکبیر کے قائل نہیں تھے، (انتھی) وجہ یہ تھی کہ یہ تکبیرات ضروری نہیں تھیں اور امام کے انتقالات سے مقتدیوں کو علم ہوہی جاتا ہے نیز ابوداؤد میں روایت بھی موجود ہے حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور یہ عمل نقل کیا و کان لایتم التکبیر (ابوداؤد جلد ا، ص ۱۳۱) ابوداؤد نے اس پر یہ لکھا ہے کہ رکوع سے اُٹھتے وقت، سجدے میں جاتے وقت اور سجدے سے اُٹھتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے تھے، گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تکبیرات انتقال میں سے بعض تکبیرات کو ترک کر دیتے تھے۔ اس لیے بہت سے لوگوں کے عمل میں تساہل ہو گیا تھا، روایات میں حضرت عثمان غنیؓ جیسے خلیفۂ راشد کے عمل میں یہ صورت موجود ہے، مسند احمد میں حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے، ان سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے تکبیرات کو کس نے ترک کیا، فرمایا ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حین کبرو ضعف صوتہ ترکہ (مسند احمد جلد ۴، ص ۴۳۲) کہ حضرت عثمانؓ جب بوڑھے ہو گئے اور اُن کی آواز پست ہو گئی تو انھوں نے تکبیرات کو ترک کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے عمل کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ تکبیر تو کہتے تھے مگر جہر کو ترک کر دیا تھا، اس کے بعد طبری کے بیان کے مطابق حضرت معاویہؓ کے عمل میں یہ صورت ملتی ہے، اور امام طحاویؒ نے کہا ہے کہ بنو امیہ کسی رکن میں جاتے ہوئے تکبیر نہیں کہتے تھے، صرف اُٹھتے وقت کہتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے آخری زمانہ میں تو یہ صورت معلوم ہوتی ہے کہ تکبیرات انتقال کا

ترک عام ہوگیا تھا، روایات میں موجود ہے کہ حضرت عکرمہ نے مکہ مکرمہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی، حضرت ابوہریرہؓ نے نماز میں تکبیراتِ انتقال کہیں تو عکرمہ کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ یہ بزرگوار تو کم عقل معلوم ہوتے ہیں، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے تنبیہ کی کہ بندۂ خدا! یہی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں تکبیراتِ انتقال برائے نام رہ گئی تھیں، اس لیے حضرت ابوہریرہؓ نے اسی پر زور دیا، شمار کرانا وغیرہ شروع کیا، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں رفع یدین کا عمل بھی برائے نام رہ گیا اور بعید نہیں کہ کچھ لوگ رفع یدین کو بدعت سمجھنے لگے ہوں، اس لیے انھوں نے اس پر زور دینا شروع کیا، خود کرکے بھی دکھلاتے رہے، زبان سے بھی کہتے رہے، فضائل بھی بیان کرتے رہے اور رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے ترک رفع کرنے والوں کو کنکر مارکر تنبیہ بھی کرتے رہے، اور بہرحال انھوں نے رفع یدین کو ختم ہونے سے بچالیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ ترکِ رفع کو خلاف سنت نہیں سمجھتے تھے۔ اور سمجھ بھی نہیں سکتے تھے کہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ، خلفاء راشدین کا عمل اور صحابۂ کرام کا تعامل سب ان کے سامنے ہے اور اسی لیے وہ ترکِ رفع بھی کرتے تھے جیسا کہ مجاہد کی روایت سے ثابت ہے، مسند حمیدی میں اور مسند ابوعوانہ میں تو صحیح اسانید سے ثابت ہے لیکن جب انھوں نے یہ دیکھا کہ رفع یدین کا عمل بالکل معدوم ہوا جارہا ہے اور وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ عمل ہے تو انھوں نے احیاء سنت کے جذبہ کے تحت ایسا کیا۔

حضرت ابن عمرؓ کا اس جذبہ کے تحت رفع یدین کی دعوت دینا یقیناً صحیح تھا، وہ ایسا نہ کرتے تو اس مسئلہ میں ترک ہی کی جہت باقی رہ جاتی، فعل کی جہت ختم ہو جاتی، جبکہ شریعت میں ترک و فعل دونوں ثابت ہیں، لیکن بعد کے زمانہ میں، یعنی جب دونوں جہتیں از روئے شرع واضح ہوگئیں اور کسی جانب کے انعدام کا احتمال ختم ہوگیا تو اب تمام مسلمانوں کو اپنے اپنے ائمہ کے مسلک کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس طرح کے مسائل میں داعی بن کر

ایک دوسرے کے خلاف محاذ نہیں قائم کرنا چاہیے کہ اس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دونوں باتیں ثابت ہیں پھر نزاع کیسا؟ لیکن عوام یا عام علماء تو بجائے خود، کبھی کبھی اکابر علماء بھی مسائل میں افراط وتفریط کی جانب مائل ہو جاتے ہیں۔

رفع یدین میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی نیت

جیسا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک زمانے میں نہ صرف یہ کہ رفع یدین پر عمل کیا کرتے تھے، بلکہ اس کے داعی بھی تھے، ان کا رسالہ تنویر العینین بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے، جس میں انھوں نے رفع یدین کو سنتِ غیر موکدہ کہا ہے اور سننِ ہدیٰ میں شمار کیا ہے اور ترکِ رفع کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔

ولایلام تارکہ وان ترکہ مدۃ عمرہ۔ (ص۹)

تارکِ رفع کو ملامت نہیں کی جائے گی، اگر چہ وہ مدت العمر ترک پر عمل کرتا رہے۔

اس مسئلہ میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی نیت بھی احیاء سنت، اور رضائے خداوندی کے حصول کی تھی، لیکن بعد میں حقیقتِ حال واضح ہوئی تو جس نیک نیتی سے انھوں نے عمل شروع کیا تھا اسی نیک نیتی کے ساتھ اس کو ترک بھی کر دیا ہے[1] رفع یدین کے مسئلہ میں احیاء سنت کے جذبہ پر حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی وضاحت آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

---

[1] حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ سندھی نے بعض معتبر شہادتوں کی بنیاد پر اپنی مشہور کتاب **النمهيد لائمة التجديد** میں (صفحہ ۲۹۸ قلمی) لکھا ہے کہ جب سیّد احمد شہیدؒ نے افغانستان جانے کا ارادہ کر لیا تو مولانا اسماعیل شہید سے ایک دن یہ سوال کیا کہ رفع یدین پر عمل کے سلسلے میں آپ کی کیا نیت ہے؟ جواب میں عرض کیا ابتغاءً لمرضاۃ اللہ یعنی یہ عمل میں رضائے خداوندی کے حصول کے لیے کرتا ہوں تو سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رضائے خداوندی کے لیے اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں، مطلب یہ رہا ہوگا کہ افغانستان جا رہے ہیں اور وہاں رفع یدین سے عوام میں فتنہ کا اندیشہ ہے اس لیے جب ترکِ رفع بھی سنت ہے تو رضائے خداوندی کا حصول اس طرح عمل کرنے میں بھی ہے چنانچہ شاہ اسماعیل شہید ترکِ رفع پر رضامند ہو گئے، اور نہایت معتبر تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے آخری عمر میں رفع یدین پر عمل ترک کر دیا تھا۔

شاہ عبدالقادرؒ دہلوی کا ارشاد

رفع یدین کو اختیار کرنے میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی نیت احیاء سنت کی تھی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب اُن کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی جانب سے یہ کہہ کر کہ ترکِ رفع کی تلقین کی گئی کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ ہے تو حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا۔ من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد، کیونکہ جب بھی سنت متروکہ کو اختیار کیا جائے گا تو عوام میں فتنہ پیدا ہو جائے گا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ کو جب مولانا اسماعیل شہیدؒ کا جواب پہنچا تو ارشاد فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ ثواب یا حکم تو اس وقت ہے جب سنت کا غیر سنت سے مقابلہ ہو یعنی جہاں بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا جا رہا ہو، اس مسئلہ میں تو سنت سنت ہی کے مقابل ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے اسی طرح ارسال بھی سنت ہے، پھر یہاں یہ حکم کیسے ثابت ہوگا؟ کہتے ہیں کہ جب شاہ عبدالقادر صاحب کی وضاحت سے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو مطلع کیا گیا تو وہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، (خلاصہ حکایت ۷۳، ارواح ثلاثہ ص ۱۱۴) گویا حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ زبردست فقیہانہ بصیرت کے باوجود ادھر متوجہ نہ ہو سکے تھے۔

ابن عمرؓ کی روایت پر گفتگو کا خلاصہ

گفتگو یہ تھی کہ رفع یدین کو ترجیح دینے والے فقہاء و محدثین حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو اپنا سب سے مضبوط مستدل سمجھتے ہیں، امام بخاری بھی رفع یدین کے زبردست مدعی ہیں اور انھوں نے بھی اسی روایت کو سب سے پہلے پیش کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت اصح الاسانید کے ذریعے آنے کے باوجود، ترجیح رفع پر استدلال کے سلسلے میں مختلف وجوہ کی بناء پر کارآمد نہیں ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ روایت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین بھی کیا ہے، اتنی بات سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے مگر اس سے ترجیح پر استدلال اسی

وقت ممکن ہے جب رفع یدین پر دوام واستمرار کے ساتھ تا آخر حیات عمل کی صراحت بھی ہو، اور یہ صراحت کسی بھی معتبر روایت میں نہیں ہے۔

(۲) روایت میں طرح طرح کے اختلافات ہیں، مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے اور اسی وجہ سے امام مالک نے بھی روایت کو معمول بہ نہیں بنایا۔

(۳) روایت کے الفاظ مختلف ہیں، جس کی وجہ سے مواضع رفع میں چھ طرح کا اختلاف پیدا ہو گیا ہے اس کو محدثین کی اصطلاح میں اضطراب کہتے ہیں اور اس سے کم اضطراب کی صورت میں بھی روایات کو ترک کیا گیا ہے۔

(۴) حضرت ابن عمرؓ رضی اللہ عنہ کے عمل میں اختلاف ہے اور راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس سے استدلال محل نظر ہو جاتا ہے۔

(۵) روایت میں نماز کے تمام اجزاء سے صرف نظر کر کے صرف ایک جز پر زور دینے میں صاف اشارہ ہے کہ اس زمانۂ خیر القرون میں ترکِ رفع پر عمل کی کثرت تھی۔ ان وجوہ کی بناء پر یہی کہا جائے گا کہ گو روایت سند کے اعتبار سے نہایت قوی ہے، لیکن اس سے رفع یدین کی ترجیح کو ثابت کرنا نہایت دشوار ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں تو طرح طرح کے اختلافات پائے ہی جاتے ہیں، لیکن اس موضوع پر دیگر روایات میں بھی زبردست اختلاف ہے، ہر انتقال[1] کے وقت رفع

---

[1] طحاوی کی مشکل الآثار سے حافظ ابن حجر نے کان یرفع یدیه فی کل خفض ورفع کے الفاظ نقل کیے ہیں اور اس پر ھذہ روایة شاذة بھی لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲، ص ۲۶۱) لیکن حضرت جابرؓ سے مسند احمد میں روایت ہے کہ اُن سے بیعتِ رضوان میں صحابہ کی تعداد معلوم کی گئی تو فرمایا کہ ہم ایک ہزار چار سو تھے پھر فرمایا کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه فی کل تکبیرة من الصلوٰة کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں ہر تکبیر پر رفع یدین فرما رہے تھے، اس روایت سے جہاں ہر خفض و رفع پر رفع یدین کی بات معلوم ہوئی وہیں یہ اشارہ بھی ملا کہ اس طرح کا رفع یدین صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے موقع پر ہوا، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رفع یدین خلافِ معمول اتفاقی طور پر کسی مصلحت کے سبب ہوا، اگر معمول ہوتا تو نقل کرنے والوں کی تعداد اور ان کا انداز دوسرا ہوتا، تاہم امام احمدؒ سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یدین کی روایات بھی ہیں، لیکن یہ خصوصی احوال بالکل ابتدائی زمانہ کی بات معلوم ہوتی ہے اور صرف تکبیرِ تحریمہ کے وقت رفع یدین کی روایات بھی موجود ہیں اور ایسی روایات بھی ہیں جن میں بعض مقامات پر رفع یدین ہے اور بعض پر نہیں، جیسے بخاری کی روایتِ باب ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ روایات پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں جہاں بعض مسائل میں تنگی سے توسع کی طرف میلان ہوا ہے، اسی طرح بعض مسائل میں، خصوصاً نماز کے مسائل میں توسع سے تنگی کی طرف میلان پایا جاتا ہے، پہلے نماز میں معمولی کلام، سلام کا جواب اور اشارہ اور کئی کام مباح تھے بعد میں ممنوع قرار دے دیئے گئے، اسی طرح پہلے نماز میں ہر جگہ رفع یدین تھا۔ بعد میں مقامات میں تخفیف ہوتی چلی گئی، خود روایتِ باب میں یہ اشارہ ہے کہ ابن عمرؓ لایفعل ذٰلک فی السجود فرمارہے ہیں، اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ پہلے اس موقع پر رفع تھا اور اس پر کچھ لوگ عمل پیرا تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی تردید کررہے ہیں کہ اس موقع پر رفع برقرار نہیں رہا یا ابن عمرؓ ہی کی روایت میں ترمذی شریف میں کان لایرفع بین السجدتین ہے جبکہ نسائی شریف میں بین السجدتین رفع یدین کی روایت موجود ہے۔ اس طرح کے اختلافات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے رفع یدین کے مقامات زائد تھے بعد میں کم ہوتے چلے گئے۔ ائمہ اربعہ کی روش بھی یہی بتارہی ہے کہ وہ سب اس مسئلہ میں توسع سے تنگی کی طرف آرہے ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے کہ اب دو ہی راستے ہیں اگر ظاہر پرستی پر اُترنا ہے تو اصحابِ ظواہر کے ساتھ ہوجانا چاہیے کہ انھوں نے کسی روایت کو نہیں چھوڑ، اور اگر حقیقت پسندی کی طرف آنا ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اربابِ تحقیق کا کیا رجحان ہے۔ اربابِ تحقیق اور فقہاء کرام نے بالاتفاق تشہد کے بعد، اور بین السجدتین رفع کو ترک کردیا ہے، ذرا نظر کو اور آگے بڑھاؤ کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور خلفاء راشدینؓ اور عام صحابہؓ کرام نے تکبیرِ تحریمہ کے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ان کے ایک جلیل القدر شاگرد عبدالملک میمونی المتوفی ۲۷۴ھ نے رفع یدین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا فی کل خفض و رفع اور یہ بھی فرمایا کہ اس سلسلے میں صحیح احادیث موجود ہیں، مگر امام احمدؒ کا مشہور مسلک یہ نہیں ہے (المغنی ۲/۱۹۲) مشہور مسلک بیان کیا جاچکا ہے۔

علاوہ ہر جگہ کے رفع یدین کو ترک کر دیا ہے، اور ترک کرنا بھی چاہیے تھا چونکہ رفع یدین اگر انتقال کی علامت ہے تب بھی اور تعظیم کی علامت ہے تب بھی، اس کو یا تو ہر جگہ برقرار رہنا چاہیے یا اس علامت کو ختم کر دیا گیا ہے تو ہر جگہ ترک ہو جانا چاہیے، صرف دو ہی مقامات کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی کیا بنیاد ہے؟ نماز میں خشوع اصل ہے اور اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ تمام مقامات کے رفع کو ترک کر دیا جائے اور ان روایات کو لیا جائے جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع ہے، بعض مقامات کو ترک کرنا، اور بعض مقامات پر رفع کرنا، تحکم یعنی دلیل کے بغیر اپنی رائے پر اصرار کرنا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح حدیث دوم

امام بخاری نے اپنا مقصد ثابت کرنے کے لیے دوسری روایت حضرت مالک ابن حویرث سے ذکر فرمائی ہے، کہ حضرت مالکؓ نے تین مقامات پر رفع یدین کیا اور پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا، اس روایت میں بظاہر کوئی نئی بات نہیں ہے، امام بخاری کے پاس اس عمل کے دوام واستمرار اور تا آخر حیات برقرار رہنے کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے ورنہ وہ ضرور ذکر فرماتے، اس لیے وہ ان روایتوں سے کام نکالنا چاہتے ہیں جن میں اس فعل کا محض ثبوت ہے مگر اس سے مقصد ثابت ہونا دشوار ہے البتہ حضرت مالکؓ بن حویرث کی روایت ذکر کر کے وہ اپنے ذوق کے مطابق ایک استدلال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

حضرت مالکؓ بن الحویرث وہی صحابی ہیں جو اپنے چند ہم عمر رفقاء کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۱۹ یا ۲۰ دن مقیم رہے، جب رخصت ہونے لگے تو آپ نے ضروری ہدایات دیں اور ان کو سفر کی اجازت دے دی، ان ہدایات میں ایک بات یہ بھی تھی صلو کما رأیتمونی اصلی (بخاری جلد ۱، ص ۸۸) جس طرح تم مجھے دیکھ کر جا رہے ہو اسی طرح نماز پڑھتے رہنا، امام بخاری کا مدار استدلال یہی بات معلوم ہوتی ہے جس کی انھوں نے صراحت نہیں کی، استدلال یہ ہے کہ مالکؓ بن حویرث نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کے دوران نماز کا جو طریقہ دیکھا اس میں رفع یدین بھی تھا،

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسی طریقہ پر نماز پڑھتے رہنے کی ہدایت دی، چنانچہ حضرت مالکؓ بن حویرث زندگی بھر اسی کے مطابق عمل کرتے رہے ہوں گے، اس طرح سے رفع یدین کا دوام واستمرار اور تا آخرِ حیات بقا معلوم ہو گیا۔

اس طرح کے اشارات سے امام بخاریؒ کا م اس لیے نکالنا چاہتے ہیں کہ دوام و استمرار اور تا آخر حیات اس عمل کے بقاء کی صراحت پر مشتمل کوئی روایت اُن کے پاس نہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوقلابہؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت مالکؓ بن حویرث کو رفع یدین کرتے دیکھا، کیا ضروری ہے کہ ابوقلابہ ہمیشہ مالک بن حویرث کے ساتھ ہی رہے ہوں اور ان کا یہ عمل دوامًا ہو، یہ بھی تو ممکن ہے کہ انھوں نے یہ عمل کبھی کبھی دیکھا ہو، سب احتمالات ہیں اور اگر مان بھی لیں کہ حضرت مالکؓ کا یہ عمل دوامی تھا تو اس سے یہ بات کہاں ثابت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دوامی تھا، ہاں یہ ضرور معلوم ہوا کہ آپ نے حضرت مالکؓ کو صلّوا کما رأیتمونی اصلی کہہ کر دیگر ہدایات کے درمیان بطور خاص نماز، جماعت، اور اس کے متعلقات کی طرف توجہ دلائی تھی اس لیے حضرت مالکؓ بن حویرث سنن وآداب کی بھی رعایت فرماتے رہے ہوں گے اور اگر انھوں نے دوامی طور پر رفع یدین اختیار فرمایا تو انھیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا جیسا کہ متعدد صحابہ کرامؓ سے خصوصی ہدایت کی صورت میں ایک ہی عمل کو اختیار کئے رہنے کے واقعات موجود ہیں، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بعد اپنے مشاہدات سے کیسے ہٹ سکتے تھے؟ مگر اس سے زیادہ سے زیادہ احتمال کے درجہ میں چند روز قیام کرنے والے صحابی کا رفع یدین پر دوام معلوم ہوا، جبکہ خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعودؓ اور کتنے ہی دیگر صحابۂ کرام کا عمل اس کے برخلاف رہا، اب موازنہ کر کے انصاف کے ساتھ دیکھنا ہوگا کہ ان دونوں ثابت شدہ جہتوں میں کونسی جہت کو ترجیح حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترکِ رفع کے بعض متدلات

یہ تھی رفع یدین کے ثبوت میں امام بخاریؒ کی پیش کردہ دونوں روایات پر گفتگو لیکن دوسروں کی روایات پر نقد کرنے سے مسلک تو ثابت نہیں ہوتا اس لیے مناسب معلوم ہوتا

ہے کہ ترکِ رفع کے چند دلائل بھی پیش کر دیئے جائیں، چاہیے تو یہ تھا کہ ترکِ رفع کے ان دلائل کو بھی اس باب میں یا دوسرے باب میں امام بخاری خود پیش فرماتے، جیسا کہ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کا طریقہ ہے لیکن امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اختیار کرتے ہیں تو دوسری جانب سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں اور دوسری جانب کی روایات کا پتہ ہی نہیں دیتے، جزء رفع الیدین اور جزء قرأت خلف الامام میں ان کا یہ طرزِ عمل بالکل نمایاں[1] ہے، اور صرف امام بخاریؒ کا کیا شکوہ اور بھی بعض محدثینؒ ایسے گذرے ہیں جو اپنے مسلک مختار کی تائید کے لیے کمزوریوں کی بھی تاویل و توجیہ کرتے ہیں اور جانب مخالف کی روایات کو نظر انداز کر جاتے ہیں، بلکہ بعض تو معلول قرار دے کر ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

[1] حیرت ہوتی ہے حضرت حسن اور حمید بن ہلال سے بخاری نے جزء رفع الیدین (ص۱۴) میں روایت نقل کی کان اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم کانما ایدیهم المراوح یرفعونها اذا رکعوا واذا رفعوا رؤسهم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے گویا کہ ان کے ہاتھ پنکھے ہیں۔ اب امام بخاری کا تبصرہ بھی سنئے۔ فرماتے ہیں قال البخاری فلم یستثن الحسن وحمید بن هلال احدا من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم دون احد بخاری کہتے ہیں کہ حضرت حسن اور حمید بن ہلال نے صحابہ میں سے کسی کا استثناء نہیں کیا، گویا بخاری یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں کوئی ایک بھی تارک رفع نہیں تھا، اگر کسی کے سامنے اس موضوع پر صرف بخاری کا جزء ہو تو وہ یہی سمجھے گا، جبکہ امام ترمذی نے اس موضوع پر باب منعقد کیا باب رفع الیدین عند الرکوع اور اس باب میں پہلے رفع یدین کے ثبوت کے لیے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ذکر کی اور تحریر کیا وبهذا یقول بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم کہ رفع یدین کے قائل صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم رہے ہیں، پھر امام ترمذی نے ترکِ رفع کے ثبوت کے لیے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ذکر کی اور تحریر کیا وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین کہ صحابہ و تابعین میں ترکِ رفع کے قائل کافی لوگ رہے ہیں، اہل علم جانتے ہیں کہ امام ترمذی کا بعض اہل علم کہنا قلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور غیر واحد من اهل العلم کثرت کی خبر دیتا ہے، پھر امام ترمذی جب یہ لکھ رہے ہیں تو کیا امام بخاری کو اس کی خبر نہیں؟ یقیناً ہے مگر ان کی عادت ہے کہ وہ اپنے مسلک مختار کے علاوہ کسی جانب التفات نہیں کرتے بلکہ دوسری جانب کے ذکر تک کو گوارا نہیں کرتے جیسا کہ اکثر جگہ پر دیکھنے میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

رفع یدین کے مسئلے میں بھی یہی ہوا ہے کہ کتنے ہی اکابر محدثین نے اپنی عادت کے مطابق رفع یدین کو مسلکِ مختار قرار دے کر ترکِ رفع کی روایات کو نظر انداز کر دیا اور کتنے ہی ائمہ حدیث نے محدثین کے اصول کے مطابق جب رفع یدین کی روایات کو سنداً صحیح پایا تو ترکِ رفع کی روایات کو شاذ قرار دے دیا[1] ورنہ حقیقت یہ تھی کہ جب ترکِ رفع کی روایات مضبوط سند سے آ رہی ہیں اور صحابہ و تابعین کی غالب اکثریت کا عمل روایت کی توثیق کر رہا ہے، ائمہ فقہاء نے اس کو قابلِ قبول ہی نہیں راجح قرار دیا ہے تو پھر روایت کو صحیح قرار دینے کے لیے مزید کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے؟

بہر حال امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق ترکِ رفع کی روایت کو نظر انداز کر دیا، مگر مسئلہ کا انصاف کے ساتھ جائزہ لینے کے لیے ان روایات میں سے چند کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] مثلاً مسند حمیدی میں حضرت ابن عمرؓ کی ترکِ رفع کی صراحت والی روایت اپنی سند کے اعتبار سے نہایت طاقتور ہے، اس کی سند میں حمیدی، سفیان بن عیینہ، زہری، سالم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حمیدی امام بخاری کے مایۂ ناز اساتذہ میں ہیں، حدیث اور فقہ دونوں میں امام بخاری نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ بخاری میں اُن سے ستر سے زائد روایات ہیں، حاکم کہتے ہیں کہ اگر امام بخاری کو حمیدی سے اور دیگر محدثین سے کوئی روایت ملتی ہے تو وہ اس کو حمیدی کے علاوہ کسی دوسرے استاذ کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ حمیدی ہی کی طرح منسوب کرتے ہیں۔ حمیدی نے سفیان بن عیینہ سے بیس سال تک استفادہ کیا ہے اور خود سفیان بن عیینہ جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں، ان کی جلالتِ شان پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، بخاری کی پہلی روایت انما الاعمال بالنیات بھی حدثنا الحمیدی قال حدثنا سـفیـان سے شروع ہوتی ہے اور اس سے آگے کی سند زہری الخ وہ تو اصح الاسانید کے نام سے موسوم ہے۔ اتنی طاقتور سند کے باوجود محدثین نے اس روایت کی طرف التفات نہیں کیا، وجہ بظاہر یہی ہے کہ ابن عمر سے رفع یدین کی روایت بسندِ صحیح آ رہی ہے اور مشہور ہے اس لیے ترکِ رفع کی روایت کو نظر انداز کر دیا گیا، حالانکہ اس کے متابعات موجود ہیں جیسا کہ مسند ابی عوانہ میں سفیان بن عیینہ ہی سے ترکِ رفع کی روایت پیش کی جا چکی ہے، مجاہد بھی ابن عمر سے ترکِ رفع ہی کو نقل کر رہے ہیں، اس لیے یہ توجیہ بہت آسان تھی کہ ابن عمرؓ سے دونوں باتوں کو ثابت مانا جائے مگر محدثین کا یہ ذوق ہی نہیں ہے وہ اپنے اصول کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت

ترکِ رفع کے مستدلات میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت کو اصل قرار دیا گیا ہے، اس روایت کو اربابِ سنن، اصحاب مسانید و جوامع نے اپنی کتابوں میں مختلف طرق سے ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں "الا اُصلی بکم صلوۃ رسول الله صلی الله علیه وسلم فلم یرفع یدیه الافی اوّل مرۃ" ابن مسعود رضی اللہ عنہ عملی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا میں تمھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھلا دوں، ظاہر ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ جو عمل پیش کیا جائے گا وہ اتفاقاً یا احیاناً کیا جانے والا عمل نہیں ہوسکتا، وہ عمل ہمیشہ کیا جانے والا، یا کم از کم کثرت کے ساتھ کیا جانے والا ہونا چاہیے، چنانچہ اس کے بعد جو عمل کر کے آپ نے دکھلایا وہ یہ تھا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت آپ نے ہاتھ اُٹھائے، اور پھر رفع نہیں کیا۔

ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے، تصحیح کرنے والوں میں ابن قطان، دارقطنی اور بعض محدثین کے نام ہیں، تمام راوی نہایت ثقہ ہیں، صرف عاصم بن کلیب پر انگلی رکھی گئی ہے مگر اس کا جواب دے دیا گیا ہے کہ عاصم مسلم کے رجال میں سے ہیں، امام بخاری نے بھی کتاب اللباس میں ایک جگہ تعلیق میں ان کا ذکر کیا ہے، ابن معین، ابوحاتم نسائی وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، احمد بن صالح نے ان کے بارے میں یعد من وجوہ الکوفیین الثقات کہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت ترکِ رفع کے سلسلے میں صاف اور صریح ہے، حضرت ابن عمرؓ کی رفع والی روایت کی طرح اس میں وقف اور رفع کا اختلاف نہیں، اس کے الفاظ میں اضطراب نہیں، راوی کا عمل روایت کے خلاف نہیں اور الفاظ میں یہ نہیں ہے کہ ترکِ رفع کا صرف ثبوت ہو، بلکہ راوی ایسے الفاظ میں بات کہہ رہا ہے جس سے ترکِ رفع پر اتفاقاً عمل کرنے کے بجائے کثرت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونے کی بات واضح ہوتی ہے، پھر یہ کہ صحابہ و تابعین کا تعامل اس کی تائید میں ہے۔

لیکن ان تمام حقائق کے باوجود مسئلہ پر مناظرانہ انداز میں گفتگو کرنے والوں نے یہ

کیا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت پر کوئی معقول اور قاعدہ کا اعتراض نہ ہو سکا تو خواہ مخواہ کے اعتراضات شروع کر دیئے گفتگو کی تکمیل کے لیے ان اعتراضات کا بھی منصفانہ جائزہ لینا ضروری ہے۔

عبداللہؒ بن مبارکؒ کا تبصرہ

عبداللہ بن مبارک، امام اعظم کے تلامذہ میں ہیں مگر ان کا شمار رفع کرنے والوں میں ہوتا ہے، پھر یہ کہ ان کی بات کو امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے، اس لیے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے، فرماتے ہیں۔ قد ثبت حديث من يرفع وذكر حديث الزهري عن سالم عن ابيه، ولم يثبت حديث ابن مسعود ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يرفع الافي اوّل مرة، یعنی رفع کی روایت ثابت ہے اور انھوں نے زہری عن سالم عن ابیہ والی روایت ذکر کی اور ابن مسعود کی یہ روایت ''کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع نہیں کیا'' ثابت نہیں ہے۔

اس بات کا ایک جواب تو الزامی ہے جسے علامہ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب ''الامام'' میں ذکر فرمایا ہے کہ عبداللہ بن مبارک کے یہاں ثابت نہ ہونے سے، یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ کسی اور کے یہاں ثابت نہ ہو، گویا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی بات شهادت علی النفی کی قسم میں سے ہے، جس کا مدار منکر کا اپنا مبلغ علم ہوتا ہے اور جو لوگ ثبوت کی شہادت دے رہے ہیں وہ اپنے علم کے مطابق کہہ رہے ہیں، اس لیے کسی بھی انسان کا اپنے علم کے مطابق نفی کی شہادت دینا، ثبوت کی شہادت دینے والوں کے حق میں نقصان کا سبب نہیں ہو سکتا۔ اور تحقیقی بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک کے تبصرہ کو سمجھنے میں زبردست مغالطہ ہو رہا ہے اور معترضین کے یہاں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ ترمذی حضرت ابن مسعودؓ کی جس روایت کی تحسین کر رہے ہیں، اسی کے بارے میں ابن مبارک عدم ثبوت کی بات کہہ رہے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے! ترمذی کے الفاظ پر غور کر لیا جائے تو یہ مغالطہ دور ہو جاتا ہے، انھوں نے پہلے تعلیقاً یہ فرمایا کہ لم يثبت حديث ابنؓ مسعود ان النبي على الله عليه وسلم لم يرفع الافي اول مرة ،

پھر انھوں نے ابن مبارک تک اس کی سند ذکر کی، پھر حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ذکر کرکے اس کی تحسین کی جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جس روایت میں ترکِ رفع کے فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف براہِ راست منسوب کیا گیا ہے، ابن مبارک اس کے بارے میں لم یثبت کہہ رہے ہیں اور جس روایت میں حضرت ابن مسعود نے اپنا عمل کر کے دکھایا اور اس کو الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، اس کے بارے میں وہ یہ نہیں کہہ رہے ہیں، اور اس کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے فعل کی یہ روایت نسائی شریف میں حضرت عبداللہؓ بن مبارک ہی کے طریق سے منقول ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، الفاظ یہ ہیں قال الا اخبرکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال فرفع یدیہ اوّل مرۃ ثم لم یعد (نسائی جلد ا ص ۱۶۰) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی روایت کا انکار کر دیں جسے وہ خود ثقہ راویوں سے نقل کر رہے ہیں۔

نیز اس کی واضح علامت یہ ہے کہ گو ترمذی شریف کے متداول نسخے سے بھی یہ چیز سمجھی جاسکتی ہے مگر عبداللہ بن سالم البصری والے نسخہ سے تو یہ بات بالکل منقح ہوگئی جو بعض کتب خانوں میں محفوظ ہے، اور اس میں امام ترمذی نے اہلِ حجاز اور اہلِ عراق کے اختلافی مسائل کے بیان میں اپنی عادت کے مطابق الگ الگ دو باب منعقد کئے ہیں، پہلا باب رفع الیدین عند الرکوع ہے جو عبداللہ بن مبارک کے اس تبصرہ پر ختم ہوگیا اور اس کے بعد انھوں نے دوسرا مستقل باب من لم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ منعقد کیا اور اس کے تحت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ذکر کرکے اس کی تحسین کی۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ عبداللہ بن مبارک کا تبصرہ اس روایت کے بارے میں ہے جسے ترمذی نے پہلے باب میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، اس روایت کے بارے میں نہیں ہے جسے وہ دوسرے باب میں مرفوعاً ذکر کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَمْ یَعُدْ کے غیر محفوظ ہونے کی حقیقت

اسی طرح کا دوسرا کمزور اعتراض حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت میں "لم یعد

کے الفاظ پر ہے، یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے کسی روایت میں **لـم یـرفـع یـدیـه الافی اول مرة** ہے، اور کسی میں **رفـع یـدیـه اول مـرة ثم لم یعد** ہے کسی روایت میں **ثم لا یعود** ہے، وغیرہ۔

بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت میں "**ثـم لـم یـعـد**" کے الفاظ غیر محفوظ ہیں، ابوالحسن بن القطان (المتوفی ۶۲۸ھ) نے اپنی کتاب "**بیـــان الـوهـم والایهـام**" میں کہا ہے کہ حدیث اگر چہ صحیح ہے لیکن وکیع نے جو "**لا یـعـود**" کا لفظ نقل کیا ہے وہ عبداللہ بن مبارک کے نزدیک قابلِ اعتراض ہے، امام بخاری نے جـــــزء رفـع الـدین میں پہلے عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت **الا اصـلـی لکم صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلّی ولم رفع یدیه الا مرة** نقل کی، پھر امام احمدؒ کی یہ بات نقل کی کہ یحییٰ بن آدم نے کہا کہ میں نے عاصم بن کلیب کے تلمیذ عبداللہ بن ادریس کی کتاب دیکھی تو اس میں "**لـم یـعـد**" نہیں ہے اور اس پر بخاری نے اضافہ کیا کہ کتاب حفظ کے مقابلہ پر زیادہ قابلِ اعتبار ہوتی ہے، پھر امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تطبیق والی روایت کو نقل کر کے فرمایا **قـال الـبـخـاری هـذا الـمـحـفـوظ عـنـد اهل النظر من حـدیـث عـبـد الـلـه بـن مسعودؓ** (جزء رفع الیدین ص ۱۵) امام بخاری کی بحث کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ لفظ "**لـم یـعـد**" کو غیر محفوظ قرار دینا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس لفظ کے نقل کرنے میں سفیان کو وہم ہو گیا، غیر محفوظ ہونے کی بات دارقطنی، ابوحاتم اور بعض دیگر محدثین سے بھی منقول ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ محدثین کرام روایت کو معلول قرار دینے میں الفاظ کی پابندی کے عادی ہیں، "**لـم یعد**" کو معلول یا غیر محفوظ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ ثابت نہیں، انھیں اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ یہ مفہوم روایات میں موجود ہے یا نہیں؟ یہ ایک ایسی عادت ہے کہ جس سے نقصان واقع ہو جاتا ہے کیونکہ الفاظ تو معانی تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، مگر محدثین الفاظ پر بہت زیادہ جم جاتے ہیں، زیرِ بحث مسئلہ میں حقیقت یہ ہے کہ "**رفـع یـدیـه اول مـرة ثم لم یعد**" اور **لم یرفع یدیه الافی اول مرّة** " میں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اگر پہلی روایت کے الفاظ پر کوئی اشکال ہے تو دوسری

روایت کے الفاظ تو ثابت ہیں اوران الفاظ میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے علاوہ نہیں کیا گیا تو ''لم یعد'' کے غیر محفوظ قرار دینے سے مسئلہ پر کیا فرق پڑا؟

دوسری بات یہ ہے کہ ''لم یعد'' کے لفظ پر اعتراض ہے تو یہ بتلایئے کہ حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق کیا تحقیق ہے؟ اس لفظ کے انکار سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ رافعین کی فہرست میں آ جائیں وہ تو یقیناً تارکین رفع میں سے ہیں اور اُن کا ترک تواتر سے ثابت ہے، یہی ان کا عمل ہے اور یہی ان کی تعلیم ہے اور یہی ان کے تمام شاگردوں کا مسلک ہے، پھر آپ ''لم یعد'' کو غیر محفوظ کہہ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

تیسری بات یہ کہ غیر محفوظ کہنے والوں کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیا جائے، ابن قطان نے کہا کہ روایت تو صحیح ہے لیکن ابن مبارک وکیع کے ''لم یعد'' نقل کرنے پر معترض ہیں لیکن ان کی بات یوں بے وزن ہو جاتی ہے کہ ابن مبارک خود لم یعد نقل کر رہے ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں موجود ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اس لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ ابن مبارک کے لم یثبت کہنے کی جو وجہ ابن قطان نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

امام بخاری نے امام احمد کی بات نقل کی ہے، اس سے بھی کام نہیں بنتا، کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ سفیان کی روایت میں ''لم یعد'' کا اضافہ ہے جو عبداللہ بن ادریس کی کتاب میں نہیں ہے، دونوں راوی ثقہ ہیں اور ان دونوں میں سفیان کو اوثق قرار دیا گیا ہے، عبداللہ بن ادریس کو صرف ثقہ فقیہ عابد وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے جبکہ سفیان کو ثقة حافظ فقيه عابد امام حجة کے القاب عالیہ کا مستحق سمجھا گیا ہے، اس لیے سفیان کی روایت میں کوئی اضافہ ہے تو اس کو ثقہ کے مقابلہ پر اوثق کا اضافہ ہونے کے سبب مقبول قرار دینا چاہیے۔

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمزوری امام بخاری کے پیش نظر بھی ہے، اس لیے وہ ثقہ کو اوثق کے برابر لانے کے لیے یہ فرما رہے ہیں کہ کتاب، اہل علم کے یہاں زیادہ محفوظ چیز ہے لیکن ہم مضمون کی اس تصدیق سے قاصر ہیں، کیا کہیں یہ اصول دکھایا جا سکتا ہے کہ ثقہ کا

ضبط کتاب، اوثق کے ضبط صدر کے مقابلہ پر قابل ترجیح ہے؟ ہم نے تو محدثین کا یہی ذوق دیکھا ہے کہ ان کے یہاں ضبط صدر کی اہمیت ضبط کتاب سے زیادہ ہے اور اسی لیے محدثین کے یہاں ایسے واقعات بکثرت پیش آئے ہیں جس میں انھوں نے اپنے بے مثال حافظہ کی مدد سے کتابت کے اوہام واغلاط کی تصحیح کی ہے تو امام بخاری کی اس بات کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟

نیز امام بخاری کا اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کی تطبیق والی روایت کو پیش کر کے یہ کہنا کہ یہ محفوظ ہے اور اس میں 'لم یعد' نہیں ہے اس لیے قابل قبول نہیں ہے کہ یہاں دو روایتیں ہیں اور دونوں کا الگ الگ ہونا سیاق سے واضح ہے، ایک روایت تو وہ ہے کہ جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ کہا کہ کیا میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں، پھر عبداللہ بن مسعود نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور رفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد اور دوسری روایت وہ ہے جسے امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں اور امام احمد نے مسند بحدہ ۱، ص ۴۱۸ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی، پھر آپ کھڑے ہوئے، تکبیر تحریمہ کہی اور رفع یدین کیا پھر رکوع میں گئے اور دونوں ہاتھوں کی تطبیق کی وغیرہ الخ، بالکل صاف بات ہے کہ پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عملی تعلیم دے رہے ہیں، اور قام، رفع یدیہ وغیرہ میں فاعل کی ضمیر حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی طرف راجع ہے اور دوسری روایت میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو نقل فرمارہے ہیں اور اس میں قام، کبر، اور رفع کی ضمیر فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ امام بخاری یہ چاہتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو ایک قرار دے کر انضطراب دکھلائیں، پھر تطبیق والی اس روایت کو محفوظ قرار دیں جس میں 'لم یعد' نہیں ہے، لیکن یہ زبردستی کی بات ہے، دونوں روایتیں بالکل الگ الگ ہیں، اور ان میں ایک کو محفوظ قرار دے کر دوسری روایت کو کمزور کرنے کی کوشش ناقابل فہم ہے۔

اور اگر بخاری کے احترام میں دونوں روایتوں کو ایک فرض کرلیا جائے تب بھی 'لم یعد' کے اضافہ پر اشکال نہیں ہوسکتا، کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اضافہ کرنے والے

راوی سفیان ہیں جو اضافہ بیان نہ کرنے والے راوی عبداللہ بن ادریس سے کہیں بلند مرتبہ ہیں اور ان کے اضافہ کو قبول کرنا محدثین کے اصول کے مطابق ضروری ہے۔

''لم یعد'' پر کئے جانے والے اشکال کا محدثانہ اصول کے مطابق ایک جواب علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں دیا ہے کہ امام بخاری اور ابو حاتم نے تو اس اضافہ کو سفیان کا وہم قرار دیا ہے اور ابن قطان نے وہم کو وکیع کی طرف منسوب کیا ہے، اس اختلاف کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں باتوں میں سے کوئی بات قابل توجہ نہیں اور راویوں کی ثقاہت کی بنیاد پر روایت صحیح ہے، پھر یہ کہ وکیع اور سفیان جیسے جلیل القدر ائمہ کی طرف وہم کا انتساب اس لیے بھی درست نہیں کہ وہ اس اضافہ میں تنہا نہیں ہیں اور ان کے متعدد متابعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

مسلک کی پیروی میں حدود سے تجاوز

اس سلسلے میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوسناک اعتراض وہ ہے جسے امام بیہقی (المتوفی ۴۵۸ھ) نے فقیہ ابوبکر بن اسحاق (المتوفی ۳۴۲ھ) کے حوالہ سے سنن بیہقی میں نقل کیا ہے، یہ مسلک کی پیروی میں حدود سے تجاوز کی بدترین مثال ہے، کہتے ہیں کہ ''رفع یدین کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھول ہو جانا کوئی انوکھی بات نہیں ہے، اس لیے کہ اُن سے قرآن۔ یعنی معوذتین کے سلسلے میں ایسی بھول ہوئی ہے، جس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ وہ اس چیز کو بھی بھول گئے جس کے منسوخ ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے جیسے تطبیق، وہ اس بات کو بھی بھول گئے کہ امام کے پیچھے دو مقتدی ہوں تو انہیں کیسے کھڑا ہونا چاہیے، اس کے علاوہ اور بھی چند جزئیات بیان کی ہیں۔ پھر یہ کہا کہ اگر عبداللہ بن مسعود ان چیزوں کو بھول سکتے ہیں تو رفع یدین کو بھی بھول سکتے ہیں۔ (بیہقی جلد دوم ص ۸۲)

ظاہر ہے کہ یہ روایت پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی شان میں گستاخی ہے، اور اگر یہ بے ادبی فقیہ ابوبکر بن اسحاق سے ہوگئی تھی تو بیہقی جیسے جلیل القدر امام کو اسے نقل نہیں کرنا چاہیے تھا مگر ہوا یہ کہ بیہقی کے بعد بھی بعض لوگوں نے ان باتوں کو

نقل کیا، خدا ان لوگوں کو معاف فرمائے۔

اس مسئلہ میں بھول کا کیا موقع ہے؟ جو عمل سینکڑوں بار روزانہ کیا جا رہا ہو اور ہزاروں صحابہ توجہ دلانے والے موجود ہوں وہاں اس طرح کی بات بالکل لغو ہے، یہ عمل تو عبداللہ بن مسعودؓ نے بہت تثبت کے ساتھ اختیار فرمایا ہے اور ان کے تلامذہ نے بھی بلا اختلاف اتفاق رائے کے ساتھ اس کو قبول کیا ہے۔

معوذتین کا مسئلہ

فقیہ ابوبکر بن اسحاق نے اس کے ساتھ جو چند جزئیات ذکر کی ہیں، ان میں بھی بھول جانے کا الزام دینا خلاف واقعہ اور صورت حال کو غلط انداز میں پیش کرنے کی کوشش ہے، یہ سب مسائل اپنی اپنی جگہ آئیں گے، مختصر یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے معوذتین کے قرآن کی سورت ہونے کا انکار نہیں کیا۔ وہ ان سورتوں کو آسمان سے نازل شدہ اور کلام خداوندی مانتے تھے لیکن مصحف میں صرف ان ہی چیزوں کے اندراج کے قائل تھے جن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو اور ان سورتوں کو قرآن میں درج کئے جانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ان تک نہیں پہنچی تھی، جبکہ بعض حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے رجوع کے بارے میں بھی لکھا ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ سے قرأت کا جو سلسلہ چلا ہے اس میں معوذتین قرآن میں شامل ہیں۔

تطبیق کا عمل

اسی طرح تطبیق کے مسئلہ میں بھی بھولنے کی بات غلط ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے رہیں اور اگر وہ پیش کے تمام نمازیوں کو عقد بالرکب یعنی گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے دیکھیں، اور انھیں اس کی خبر نہ ہو، انھیں یقیناً خبر ہے، لیکن تطبیق (یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں اور انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملا کر رکوع کی حالت میں گھٹنوں کے درمیان کر لینا) کو وہ عمداً اختیار کئے ہوئے ہیں، تطبیق کے بارے میں

یا تو ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں، جیسا کہ حضرت علیؓ سے بھی ابن ابی شیبہ نے بسند حسن تطبیق اور عقد بالرکب کے درمیان اختیار کی بات نقل کی ہے اور چونکہ تطبیق میں مشقت ہے، اس لیے ابن مسعود تطبیق کو عزیمت اور عقد بالرکب کو رخصت سمجھتے رہے، یا پھر یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود تطبیق کے عمل کو اس لیے برقرار رکھے ہوئے تھے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ یہ عمل تطبیق سکھایا تھا، نسائی اور مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں علمنا رسول الله صلی الله علیه وسلم الصلوة فقام فکبر فلما اراد ان یرکع طبق یدیه بین رکبتیه، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سکھائی چنانچہ آپ نے پہلے قیام کیا، پھر اللہ اکبر کہا، پھر جب رکوع کا ارادہ کیا تو آپ نے تطبیق کر کے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان کرلیا، مسلم شریف کی روایت میں یہ بھی ہے فکأنی انظر الی اختلاف اصابع رسول الله صلی الله علیه وسلم (مسلم جلد ۱، ص ۲۰۲) ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ گویا میں تطبیق کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے اختلاف کی کیفیت کا آج بھی مشاہدہ کر رہا ہوں۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے جس طریقہ کی خصوصی تعلیم دی اس میں تطبیق ہے اور اس کی تمام کیفیات عبداللہؓ بن مسعود کو محفوظ ہیں، اس لیے جو عمل پیغمبر علیہ السلام نے خود سکھایا اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کیسے چھوڑ دیں، یہ وہی جذبہ ہے کہ جس کے تحت حضرت ابومحذورہؓ نے ساری عمر پیشانی کے وہ بال نہیں کٹوائے جن پر حضور علیہ السلام نے اپنا دست مبارک رکھا تھا، یہ وہی محبت کا تقاضہ ہے جس کے سبب حضرت قرہ بن ابی ایاسؓ نے کبھی گریبان کو بٹن لگا کر بند نہیں کیا اس لیے کہ جب انھوں نے پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گریباں کھلا ہوا تھا یہ وہی داعیہ ہے کہ جس کے تحت حضرت براءؓ نے سونے کی انگوٹھی کا استعمال ترک نہیں کیا، ایک موقع پر ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر سونے کی انگوٹھی عطا فرمائی تھی۔ خـذ، البـس ما کساک الله و رسوله (مسند احمد جلد ۴، ص ۲۹۴) لو اللہ اور اس کے رسول نے جو پہنایا ہے اس کو پہن لو۔ حضرت براءؓ کو لوگوں نے متوجہ بھی کیا کہ سونے کی انگوٹھی پہننا تو ممنوع ہے مگر وہ یہ فرماتے تھے کہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے البس

ماکساک الله و رسوله فرمایا، میں اس کو کیسے چھوڑ دوں؟

یہ باتیں گو اصولی نہیں ہیں مگر یہ وہ خصوصی جزئیات ہیں جو تقاضائے محبت میں پیدا ہوتی ہیں، اور انسان اُن کو اپنے لیے باعث خیر و سعادت سمجھتا ہے، اسی طرح تطبیق کے عمل میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے جذبات کو سمجھنا چاہیے۔ اور سہو ونسیان جیسا الزام عائد کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

تطبیق اور ترک رفع میں تلامذہ کا عمل

پھر اس مسئلہ میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عزیمت سمجھتے ہوئے، یا خصوصی تعلیم میں تقاضائے محبت کو پورا کرنے کے لیے اپنا طریقہ نہیں بدلا، لیکن ان کے تلامذہ کے سامنے جب یہ بات محقق ہوکر سامنے آ گئی کہ تطبیق کا عمل پہلے کیا جاتا تھا لیکن بعد میں ترک کر دیا گیا تو تلامذہ نے اس عمل کو چھوڑ دیا لیکن ترک رفع کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ اس کو نہ عبداللہ بن مسعودؓ نے چھوڑا نہ ان کے بعد تلامذہ نے، اور نہ اہل کوفہ میں کسی اور فقیہ سے اس عمل کے خلاف منقول ہے جیسا کہ معتبر شہادتوں سے ثابت ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ ترک رفع کے معاملہ میں سہو ونسیان کی بات کرنا، اپنے مسلک کی پیروی میں بزرگوں کی شان میں بے ادبی تک پہنچنے کے مرادف ہے۔

دو مقتدیوں کے ساتھ امام کی جائے قیام کا مسئلہ

فقیہ ابوبکرؒ بن اسحاق نے تیسری بات یہ کہی کہ حضرت عبداللہؓ یہ بھی بھول گئے کہ مقتدی دو ہوں تو امام کو کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟ نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ عمل منقول ہے کہ انھوں نے اسود بن یزید اور علقمہ میں سے کسی کو داہنی طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کر کے ظہر کی نماز پڑھائی اور خود بیچ میں کھڑے ہوئے جبکہ دو مقتدیوں کے ساتھ امام کو آگے کھڑا ہونا چاہیے، ابراہیم نخعی اور ابن سیرین نے حضرت عبداللہؓ کے اس عمل کو جگہ کی تنگی پر محمول کیا ہے کہ وہاں پر اسی طرح کھڑے ہونے کی مجبوری تھی، کچھ لوگوں نے فرمایا ہے کہ جہاں روایات میں دونوں کے درمیان کھڑے ہونے کی

وضاحت ہے وہ ہیں مسند احمد (جلد ۱، ص ۴۵۹) میں **فصففنا خلفه صفا واحداً** ہم دونوں ان کے پیچھے ایک صف میں کھڑے ہوئے کی صراحت بھی ہے، اگر روایت کے ان الفاظ کو صحیح قرار دیا جائے تو عبداللہ بن مسعود اور جمہور کے درمیان کوئی فرق ہی باقی نہیں رہتا، اس کے علاوہ بھی بعض جوابات دیے گئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے چند مناقب

فقیہ ابوبکرؒ بن اسحاق نے جتنے بھی جزئیات ذکر کئے ہیں، ان میں کسی کا تعلق سہو اور نسیان سے نہیں اور انھوں نے بھی نسیان کی بات سنجیدگی سے نہیں بلکہ طنزیہ انداز میں کہی ہے انھیں یہ ادب ملحوظ رکھنا ضروری تھا کہ وہ جس ذاتِ گرامی کی جانب ایسی بات منسوب کر رہے ہیں، ان کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تعلق رہا ہے اور ان کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا، میں نہیں جانتا کہ تمھارے درمیان میری زندگی کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں، اس لیے میرے بعد ان دونوں کی اقتداء کرتے رہنا، اور یہ فرماتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، پھر یہ ارشاد فرمایا **وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه** اور ابن مسعود جو حدیث بیان کریں اس کی تصدیق کرنا (مسند احمد جلد ۵، ص ۴۰۲)

بخاری شریف میں روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا، **خذوا القرآن من اربعة** (جلد ۲، ص ۷۴۸) یا دوسری روایت میں ہے **استقرء القرآن من اربعة** (جلد ۱، ص ۵۳۱) چار صحابہ سے قرآن شریف پڑھو یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سالمؓ سے، معاذؓ سے اور ابی بن کعبؓ سے، اور ان چاروں میں پہلا نام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں آپ کے اس طرح کے ارشادات کے بعد فقیہ ابوبکر بن اسحاقؒ کے اس طرح کے تبصرے کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی جانب سے حدیث و قرآن کی تعلیم کے سلسلے میں اتنی اہم سند عطا کئے جانے کے بعد، اُن کی ذاتِ گرامی پر کسی کا کوئی الزام عائد کرنا، اپنی حیثیت کو مجروح کرنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ السابقون الاولون میں سے ہیں۔اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر ہے اسلام قبول کرتے ہی حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا انک غلام معلم تم تو تعلیم یافتہ جوان ہو،اسلام قبول کرنے کے بعد بڑے ابتلاء سے گذرے ہیں، صاحب الھجرتین ہیں،حبشہ کی طرف ہجرت کی ، پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے،پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے خصوصی خادم ہیں۔صاحب السواک والنعلین کہلاتے ہیں تمام غزوات میں شریک رہے،اصحاب بدر میں بھی شمار ہے،پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے خصوصی تعلق کی بناپر دیکھنے والے ان کو اہل بیت میں سمجھتے ہیں،پیغمبر علیہ السلام نے ان کو خصوصی اجازت دے رکھی ہے۔اذنک علی ان ترفع الحجاب الخ یعنی آنے کی ضرورت ہو تو اجازت لینے کی ضرورت نہیں پردہ اُٹھایئے اور اندر آجایئے۔وغیرہ وغیرہ[1]

(۲) حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت

ترک رفع پر حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو تمیم بن طرفہ کے طریق سے ہے قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوۃ ،کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے تو یہ فرمایا کہ یہ کیا ہے کہ میں تم لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے سرکش گھوڑے دم اٹھائے ہوئے ہوں،نماز میں سکون اختیار کرو۔یہ روایت مسلم،ابوداؤد،نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں ہے،اور سب میں یہ مضمون ہے کہ صحابہ مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہے تھے،آپ حجرہ سے نکلے تو دیکھا کہ نماز میں

---

[1] کہاں تک فضائل کا شمار کریں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی شان بہت بلند و بالا ہے،ابن تیمیہ نے تو یہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ، علم میں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے طبقہ کے صحابہ میں ہیں، فمن قدح فیہ او قال ھو ضعیف الروایۃ فھو من جنس الرافضۃ الذین یقدحون فی ابی بکر و عمر و عثمان (فتاوی ج ۴،ص ۵۳۱) اگر کوئی عبداللہ بن مسعودؓ کی عیب جوئی کرتا ہے یا ان کو ضعیف الروایہ کہتا ہے تو اس کو رافضیوں کی اس قسم میں شمار کرنا چاہیے جو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی عیب جوئی کرتے ہیں۔نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

رفع یدین ہورہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ رفع رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے ہورہا ہوگا، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا ہورہا ہے، پھر ایک تشبیہ کے ذریعہ اس فعل کا نامناسب ہونا بیان کیا اور رفع یدین سے اسکنوا فی الصلوٰۃ کہہ کر منع فرمادیا۔

کہا جاسکتا ہے کہ نماز میں رفع یدین کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے، اور صحابۂ کرام بھی آپ کی اجازت سے یہ عمل کررہے تھے، پھر آپ کی جانب سے انکار سمجھ میں نہیں آتا، لیکن اس طرح کی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم دیا اور پھر اس کو موقوف فرمادیا۔ حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، پھر فرمایا مابالھم وبال الکلاب (مسلم) لوگ کتوں کے بارے میں یہ کیا کررہے ہیں؟ پھر آپ نے شکار اور حفاظت کے لیے کتا پالنے کی اجازت دی، اسی طرح ظہر کی نماز کے سلسلے میں ہے کہ پہلے اول وقت میں ہی پڑھی جاتی رہی پھر آپ نے گرمی کی شدت میں ٹھنڈے وقت کی تعلیم دی، صحابہ نے سمجھا کہ ابراد پسندیدہ بات ہے جس قدر زیادہ ہو اتنا ہی بہتر ہے، اس لیے انھوں نے ابراد میں مبالغہ کے لیے مزید تاخیر کی اجازت چاہی تو آپ نے شکایت کو قبول نہیں کیا، ان واقعات کی اصل تصویر یہ ہے کہ بعض احکام اصل نہیں ہوتے ہنگامی مصلحت کی بنا پر دیئے جاتے ہیں، لیکن لوگ ان کو اصل اور پسندیدہ قرار دے کر مبالغہ کے ساتھ معمول بنا لیتے ہیں تو اس طرح کی تنبیہ کی جاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ زبان سے اللہ اکبر کہتے وقت رفع یدین کی تعلیم خدا کی کبرائی کے اعتراف، یا دنیا سے اظہارِ برأت کی مصلحت کی بنیاد پر دی گئی ہو، لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں اتنا مبالغہ کیا ہو کہ قوموا للہ قانتین کی روح متاثر ہوگئی ہو، اس لیے آپ نے منع فرمادیا، اور ایک مثال کے ذریعہ ناگواری ظاہر کی کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دُم کی طرح کیوں ہاتھ ہلارہے ہو؟ اس عمل کو ختم کردو۔

امام بخاریؒ کا اعتراض

امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں ہمارا یہ استدلال نقل کیا ہے پھر اس پر دو اعتراض کئے ہیں پھر ترکِ رفع پر استدلال کرنے والوں پر بہت برہمی ظاہر فرمائی ہے، امام

بخاریؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بن سمرہ کی یہ روایت نماز میں قیام وغیرہ کی حالت سے متعلق نہیں ہے، یہ تشہد اور سلام وغیرہ سے متعلق ہے، دلیل یہ ہے کہ عبید اللہ بن القبطیہ کے طریق سے حضرت جابرؓ کی روایت میں وضاحت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں جب السلام علیکم کہتے تھے تو ہاتھ سے اشارہ کرتے، اس پر آپ نے فرمایا **ماباال هولاء یومون بایدیهم کانها اذناب خیل شمس**، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہیں گویا سرکش گھوڑے دم ہلا رہے ہیں دوسری بات امام بخاریؒ نے یہ کہی کہ اگر اس روایت سے ترک رفع پر استدلال کو درست قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبیر تحریمہ اور تکبیراتِ عیدین کے موقع پر بھی اس کو ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ **اسکنوا فی الصلوة** میں کوئی استثنا نہیں ہے، ہر موقع کا رفع اس کے عموم میں داخل ہے۔

امام بخاری نے ان اعتراضات کو بڑی اہمیت دی ہے، فرمایا کہ جسے علم کا کوئی بھی حصہ نصیب ہے وہ اس روایت سے ترک رفع پر استدلال نہیں کر سکتا، استدلال کرنے والوں کو خدا سے ڈرنا چاہیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کا انتساب ہے جو آپ نے نہیں کہی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن امام بخاری کے بارے میں یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کوئی رُخ اختیار کر لیتے ہیں تو دوسری طرف سے قطع نظر کر کے اس کو قطعاً ختم کر دینا چاہتے ہیں، اس لیے وہ ایسا کہنے میں معذور ہیں۔

اعتراض کا پہلا جواب

ہمارے خیال میں ان اعتراضات میں کوئی وزن نہیں، یہ اشکال حضرت جابرؓ بن سمرہ کی دونوں روایتوں کو ایک قرار دینے سے پیدا ہوا، جبکہ دونوں کو ایک یا ان میں سے ایک کو دوسری کی تفسیر قرار دینا زبردستی کی بات ہے، دونوں روایتوں کے سیاق وسباق میں کئی طرح کا فرق ہے، صرف اتنی بات مشترک ہے کہ دونوں روایتیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہیں اور دونوں میں ایک تشبیہ سے کام لیا گیا ہے، وجوہ فرق مندرجہ ذیل ہیں

(۱) پہلا فرق یہ ہے کہ حضرت تمیمؓ والی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نماز میں نہیں تھے، صحابہ کرام نوافل پڑھ رہے تھے کہ آپ تشریف لائے، مسلم اور نسائی کی روایت میں خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اور مسند احمد کی روایت میں ایک جگہ دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جلد ۵، ص ۱۰۷) دوسری جگہ انہ دخل المسجد فابصر قوما (جلد ۵، ص ۹۳) کے الفاظ ہیں، جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نماز میں نہیں تھے، حجرہ سے نکل کر مسجد میں تشریف لائے تھے اس وقت آپ نے رفع یدین کرتے دیکھا تو منع فرمایا۔ جبکہ حضرت عبیداللہؒ بن القبطیہ والی روایت میں ہر جگہ کنا اذا اصلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اس طرح کے الفاظ ہیں جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نماز تھے۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ حضرت تمیمؒ والی روایت میں ''اسکنوا فی الصلوۃ'' کے الفاظ ہیں، حضرت ابن القبطیہؒ والی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور ہونا مستبعد بھی ہے کیونکہ ان کی روایت تشہد اور سلام سے متعلق ہے، علامہ زیلعی نے فرمایا ہے کہ سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے والے کو ''اسکن فی الصلوۃ'' کہہ کر مخاطب نہیں کیا جائے گا، یہ الفاظ تو نماز کے دوران رفع یدین کرنے والے سے ہی کہے جا سکتے ہیں، یعنی جو نمازی سلام پھیر کر نماز ختم کر رہا ہے اس سے ''اسکن فی الصلوۃ'' کہنا بے فائدہ اور غیر ضروری بات ہے۔

عبیداللہ بن القبطیہ والی روایت میں اس جگہ اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہ یا اس طرح کے الفاظ ہیں کہ جب سلام پھیرا جائے تو دوسرے بھائی کی طرف صرف التفات ہی کافی ہے ہاتھ سے اشارہ نہیں کرنا چاہیے، یا زیادہ سے زیادہ بعض طرق میں الایسکن احدکم ہے فی الصلوۃ کا لفظ اس میں بھی نہیں ہے۔

(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ مالی اراکم رافعی ایدیکم، یا رفع یدین کی تعبیر والے الفاظ صرف حضرت تمیمؒ والی روایت میں ہیں، حضرت عبیداللہؒ بن القبطیہ والی روایت میں تومون یا ماشانکم تشیرون، وغیرہ کے الفاظ ہیں، الفاظ کا یہ فرق بھی صاف دلالت کر رہا ہے کہ نماز کے دوران ہاتھوں کی حرکت کو رفع یدین، اور سلام کے وقت ہاتھوں کی حرکت کو ایما، اشارہ، یا یومون بایدیھم سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا واقعہ ایک نہیں ہے، دو

واقعات الگ الگ ہیں۔

(۴) چوتھا فرق یہ ہے کہ حضرت تمیمؓ کی روایت کے بعض طرق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے درمیان رفع یدین کا یہ عمل بعض لوگ کر رہے تھے، سب نہیں، مثلاً **دخل المسجد فابصر قوما قد رفعوا ایدیھم** کہ آپ مسجد میں داخل ہوئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے دیکھا، اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ آپ حجرہ سے مسجد میں آئے تو صحابہ نوافل میں مشغول تھے، آپ نے ان سب کو یا ان میں سے بعض کو رفع یدین کرتے دیکھا، تمام صحابہ اس میں شریک نہیں ہو سکتے، کیونکہ بعض نوافل میں مشغول نہیں تھے جبکہ عبیداللہ بن قبطیہ کی روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو سلام کے وقت ہاتھ کا اشارہ کرتے، اس روایت کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس عمل میں تمام صحابہ کرام شریک تھے، اور اس فرق کی بنیاد پر بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔

دوسرا جواب

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت جابرؓ بن سمرہ کی دونوں روایتیں بالکل الگ الگ ہیں، یہ کوئی اصول نہیں کہ بعض وجوہِ اشتراک کی بنیاد پر ایک صحابی کی دو رایتوں میں سے ایک کو دوسرے کی تفسیر یا وضاحت قرار دیا جائے، اور اگر بالفرض دونوں روایتوں کو ایک قرار دیا جائے تب بھی یہ کہا جائے گا کہ **العبرۃ العموم اللفظ لالخصوص السبب** یعنی سبب خواہ خاص رہا ہو کہ لوگ سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کر رہے تھے، لیکن آپ نے حکم تو عام الفاظ میں دیا **اسکنوا فی االصلوۃ** کہ نماز میں ساکن رہنا چاہیے، اور یہی قرآن کریم کی آیت **قوموا للہ قانتین** کا تقاضہ بھی ہے، آپ کے اس عام حکم کا مطلب یہ ہوا کہ نماز کی اصل، شان سکون ہے، حرکت تو مجبوری کے درجہ کی چیز ہے، اس لیے نماز میں جہاں ایسی دو چیزیں ثابت ہوں جن میں ایک سکون اور دوسری حرکت پر مشتمل ہو تو اس صورت میں سکون والی جانب کو ترجیح دی جائے گی، البتہ اگر کسی جگہ صرف ایک ہی چیز ثابت ہے کہ جیسے تکبیر تحریمہ یا تکبیرات عیدین تو وہاں یہی ایک رُخ متعین ہے اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی نے فرمایا کہ حضرت جابرؓ کی مندرجہ بالا دونوں روایت الگ الگ ہیں لیکن اگر بالفرض امام بخاری کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ان روایات کا تعلق تشہد اور سلام سے ہے تب بھی رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ترک رفع پر استدلال اس طرح کیا جائے گا کہ جب نماز کے بالکل اختتام پر ہاتھ سے اشارہ کو بھی بالکل ممنوع قرار دیا جا رہا ہے اور اس کی علت اسکنوا فی الصلوۃ ، بیان کی جا رہی ہے، تو نماز کے درمیان یعنی رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت تو بدرجہ اولیٰ رفع یدین کو ممنوع قرار دیا جائے گا۔

رہا امام بخاری کا دوسرا اعتراض کہ اسکنوا فی الصلوۃ کو عام قرار دیا جائے تو تکبیر تحریمہ اور تکبیرات عیدین میں بھی رفع نہ ہونا چاہیے، ہمیں حیرت ہے کہ یہ بات انھوں نے کیسے ارشاد فرمائی، اول تو تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کا ثبوت نہایت قوی دلائل سے ہے، دوسرے یہ کہ تکبیر تحریمہ حنفیہ کے یہاں نماز کی شرط ہے، داخل صلوۃ نہیں ہے اور خود امام بخاری کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے، پھر وہ اسکنوا فی الصلوۃ ، کے عموم کو وہاں کیسے منطبق کر سکتے ہیں، رہا تکبیراتِ عیدین کا معاملہ، تو اول تو یہ اختلافی مسئلہ ہے، امام ابو یوسف کے یہاں رفع یدین نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اسکنوا فی الصلوۃ میں الصلوٰۃ معرف باللام ہے، اس سے مراد عام نماز ہی تو ہے، اس کی مراد میں نماز عید اور نماز جنازہ وغیرہ کو شامل کرنا، پھر تکبیراتِ زوائد پر بھی اس حکم کو منطبق کرنے کی کوشش کرنا، قرین انصاف نہیں معلوم ہوتا، تاہم امام بخاری کے ہم ممنون ہیں کہ انھوں نے ہماری دلیل پر اعتراض کر کے اس کی جواب دہی اور وضاحت کا موقع عطا فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ کی روایت

تارکین رفع کے مستدلات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت لاترفع الایدی الافی سبع مواطن (الحدیث) بھی ہے، یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں موقوفاً اور

معجم طبرانی میں امام نسائی کے طریق سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے، سند قوی ہے اور نصب الرایہ میں حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے گویا متابعت بھی موجود ہے مسند بزار کے حوالہ سے بھی دونوں حضرات سے موقوفاً و مرفوعاً نقل کی گئی ہے، امام بخاری نے بھی جزء رفع الیدین میں تعلیقاً دونوں صحابہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔

پھر یہ کہ امام بخاریؒ نے جزء رفع الدین میں اس روایت کو تارکین رفع کی دلیل کے طور پر نقل کر کے متعدد اعتراضات کئے ہیں نیز شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے اپنی کتاب میں ان اعتراضات کو بھی لیا ہے، اور اپنی طرف سے اعتراضات میں اضافہ بھی کیا ہے، اس لیے اس سلسلے میں اپنی بات پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان اعتراضات میں بعض تو محدثانہ انداز کے ہیں، جن کا تعلق رجال، سند یا الفاظ سے ہوتا ہے، اور بعض فقیہانہ انداز کے ہیں کہ اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

محدثانہ انداز کے اعتراضات

(۱) پہلا اعتراض یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ اس روایت میں متفرد ہیں اور روایت کے معاملہ میں ناقابل احتجاج ہیں، یہ اعتراض امام بخاری نے نہیں کیا، صرف ابن دقیق العید نے کیا ہے۔ تفرد کی بات صحیح ہوتی تب بھی اعتراض میں وزن نہیں تھا، اس لیے کہ ابن ابی لیلیٰ اتنے کمزور نہیں ہیں کہ ان کی روایت کے ساقط الاعتبار ہونے پر سب کا اتفاق ہو، امام عجلی نے ان کے بارے میں کان فقیھا صاحب مسنۃ صدو قاجائز الحدیث کہا ہے (تہذیب جلد۹ ص۳۰۲) امام ترمذی نے ان کی بعض روایات کو صحیح قرار دیا ہے جیسے باب متی یقطع التلبیۃ فی العمرۃ (ترمذی جلد۱ ص۱۸۵) میں ان کی سند سے مذکور روایت کے بارے میں قال ابو عیسیٰ حدیث ابنؓ عباس حدیث صحیح کہا ہے، نیز یہ کہ وہ اس روایت میں متفرد نہیں ہیں۔ معجم طبرانی میں امام نسائی کے طریق سے بھی یہی روایت ہے اور بیہقی نے امام شافعی کے طریق سے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور ان دونوں میں ابن ابی لیلیٰ نہیں ہیں، گویا متابعات اور شواہد سب موجود ہیں، پھر تفرد کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ شعبہ نے یہ کہا کہ حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث

سکی ہیں، اور یہ روایت ان چار میں نہیں ہے، اس اعتراض میں بھی وزن نہیں ہے کیونکہ شعبہ کا یہ بیان ان کا استقراء ہے، امام احمد نے ان روایات کی تعداد پانچ بتائی ہے جن کو یحییٰ القطان نے شمار بھی کرا دیا ہے، پھر یہ کہ ترمذی نے حکم کی مقسم سے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں روایات ذکر کی ہیں جن میں سماع یا تحدیث کی صراحت ہے۔

پھر یہ کہ ابن عباسؓ کی یہ روایت صرف اسی حکم اور مقسم کے طریق سے ہی نہیں ہے، معجم طبرانی کی سند اس طرح ہے **احمد بن شعیب النسائی، ثنا عمر و بن یزید ثنا سیف بن عبید الله ثنا ورقاء عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الحدیث،** یہ بالکل دوسری سند ہے، اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی موقوفاً عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر کے طریق سے موجود ہے، اس لیے روایت کو بہر حال ماننا پڑے گا، اور اس طرح کی جرح سے روایت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ وکیع نے اس روایت کو ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے اور حاکم نے یہ فرمایا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرنے والوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد راوی وکیع ہی ہیں، یہ اعتراض بھی استدلال کرنے والوں کے لیے نقصان دہ نہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ موقوف بھی ہو تو مرفوع کے حکم میں ہے، اس لیے کہ جو احکام روایت میں مذکور ہیں، ان میں قیاس و اجتہاد کا دخل ہی نہیں، دوسری بات یہ کہ روایت کا انحصار اس سند پر نہیں ہے، روایت متعدد طرق سے متعدد جگہوں پر موقوفاً و مرفوعاً منقول ہے تو اس طرح کے اعتراضات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

روایت کے خلاف راوی کے عمل کا اعتراض

یہ اعتراض محدثین کے اصول کے مطابق تو پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ ان کے یہاں صحابی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں ہے، البتہ فقہا کے یہاں یہ اشکال پیدا کرنے والی بات ہے بشرطیکہ تاریخ کا تعین ہو جائے کہ روایت پہلے کی ہے اور اس کے خلاف عمل کا ثبوت بعد میں ہو اور یہاں ایسا ثابت کرنا مشکل ہے۔

حصر درست نہ ہونے کا اعتراض

حضرت ابن عباسؓ کی روایت بہ صیغۂ حصر لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن الخ بھی ہے اور بغیر صیغۂ حصر ترفع الایدی فی سبع مواطن بھی ہے اور رفع الایدی اذا رأیت البیت الخ جملہ اسمیہ کے ساتھ بھی ہے، صیغۂ حصر والی روایت ان حضرات کے لیے مضر ہے کہ اس سے نماز میں کئے جانے والے رفع یدین کی نفی ہوتی ہے، اس لیے یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حصر والی روایت کا صحیح ہونا محال ہے کیونکہ ان سات مقامات کے علاوہ بھی رفع یدین کا ثبوت روایاتِ صحیح میں موجود ہے، جیسے کہ عیدین کی تکبیرات اور قنوت وغیرہ ہیں، اس لیے ان حضرات کے نزدیک صرف بلا حصر والی روایت قابل قبول ہے کہ سات مقامات کا رفع تو اس روایت سے ثابت ہو گیا اور دیگر مقامات کا رفع اگر روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہو تو اس کا اضافہ کر لیا جائے۔

لیکن یہ حقیقت ملحوظ ذہنی چاہیے کہ قائلین رفع جس روایت کو بغیر صیغۂ حصر سمجھ رہے ہیں وہ بھی اصولِ بلاغت کی رو سے مفید حصر ہے، کیونکہ حصر ما اور الا یعنی نفی اور استثناء کے ساتھ خاص نہیں، اس کے اور بھی کئی طریقے ہیں، حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ مبتدا اور خبر دونوں کا معرفہ ہونا بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم میں ہے، اسی طرح مسند اور مسندالیہ میں ایک معرفہ ہو اور دوسری طرف معین قصر کوئی کلمہ ہو جیسے، من، فی، لام تب بھی قصر کا فائدہ ہوتا ہے جیسے الائمة من قریش، الحمدللّٰه، الکرم فی العرب وغیرہ، یہ تمام تعبیرات مفید قصر ہیں، اسی طرح یہاں لاترفع الایدی الافی الخ ہو یا ترفع الایدی فی سبع الخ ہو، دونوں صورتوں میں قصر ہی مراد ہے۔

قصر اضافی مراد ہے

ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ قصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے، قصر حقیقی کا مطلب ہوتا ہے کہ مقصور کو مقصور علیہ کے ساتھ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے ایسا اختصاص ہو کہ وہ علاوہ کسی اور

جملہ نہ پایا جائے اور اضافی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقصور کا مقصور علیہ کے ساتھ اختصاص کسی شیٔ معین کی بہ نسبت ہو، یہاں پر رفع الیدین مقصور ہے اور سبع مواطن مقصور علیہ، یہ قصر حقیقی یعنی اس طرح کا نہیں ہے کہ حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے رفع یدین انھی جگہوں کے ساتھ خاص ہے، ان سات مقامات کے علاوہ کہیں پایا ہی نہیں جائے گا، بلکہ یہ قصر اضافی ہے اور مطلب یہ ہے کہ رفع یدین کو ایک متعین حیثیت سے ان مقامات کے ساتھ خاص کیا گیا ہے یا رفع یدین ان مقامات کی معین حیثیت کی نسبت سے ان کے ساتھ خاص کیا گیا ہے قصر اضافی کی یہ معنوی وضاحت اکابر کے یہاں موجود ہے۔

علامہ ابن نجیم کا ارشاد

کنز الدقائق میں رفع یدین کے مقامات کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے **ولا یرفع یدیه الافی نقعس صمج** کہ رفع یدین صرف اُن مقامات میں ہے جن کی طرف ان حروف سے اشارہ کیا گیا ہے، ان حروف میں ''ف'' سے مراد افتتاح صلوۃ، ''ق'' سے مراد قنوت، ''ع'' سے مراد عیدین، ''س'' سے مراد استلام حجر، ''ص'' سے مراد صفا، ''م'' سے مراد مروہ اور ''ج'' سے مراد جمرات ہیں، ابن نجیم اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ای لایرفع یدیه علی وجه السنة المئوکدة الافی هذه المواضع ولیس مراده النفی مطلقا لان رفع الایدی وقت الدعاء مستحب کماعلیه المسلمون الخ (البحرالرائق جلد ۱، ص ۳۲۲)

مطلب ہے کہ رفع یدین سنت مؤکدہ کے طور پر ان ہی مقامات کے ساتھ خاص ہے رفع یدین کی مطلقاً نفی مراد نہیں ہے، کیونکہ رفع یدین دعا کے موقع پر تمام مسلمانوں کے نزدیک مستحب ہے۔

کنز الدقائق کی عبارت میں نفی اور استثناء کی صورت میں حصر کیا گیا۔ اور رفع یدین کے جو مقامات گنائے ہیں وہ عیدین اور قنوت کے علاوہ سب ابن عباسؓ کی روایت میں ہیں، لیکن ابن نجیم نے اس حصر کو حقیقی نہیں، اضافی قرار دیا، اور فرمایا کہ رفع یدین سنت مؤکدہ کی حیثیت سے ان مقامات کے ساتھ خاص ہے۔

علامہ کشمیریؒ کا ارشاد

علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قصر اضافی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت میں رفع یدین کو ان مقامات کے ساتھ، ان کے اسلامی شعائر ہونے کی وجہ سے خاص کیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ روایت میں ذکر کردہ سات مقامات اسلامی شعائر ہیں اور رفع یدین اسلامی شعائر کی علامت ہے، اس لیے شعائر ہونے کی حیثیت سے ان جگہوں پر رفع یدین مطلوب ہے۔

مثلاً نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے، انسان جب اس شعار کو شروع کرے تو شعار کی علامت کو اختیار کرے یعنی تحریمہ کے وقت رفع یدین کرے، شعار کا تقاضہ ہو گیا، نماز کے درمیان والا رفع یدین تقاضائے شعار میں نہیں آتا، اس لیے رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے اُٹھتے وقت کے رفع یدین کا اس روایت میں انکار ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس کی روایت میں ذکر کردہ تمام مقامات کا اسلامی شعائر ہونا ظاہر ہے اور اسی حیثیت سے ان مقامات پر رفع یدین کا حکم دیا گیا ہے لیکن جن مقامات کا تذکرہ اس روایت میں نہیں ہے جیسے عیدین کی تکبیرات زوائد اور قنوتِ وتر کا رفع یدین، تو اس کا جواب صاف ہے کہ یہ قصر اضافی ہے اور غیر شعائر کے مقابلہ پر شعائر کے ساتھ رفع یدین کی تخصیص کے لیے ہے، اگر متروک الذکر مقامات میں شعائر ہونے کی شان پائی جاتی ہے تو وہاں بھی رفع یدین ثابت ہو جائے گا۔

مثلاً نماز عیدین ہے، نمایاں عمل ہے اور اسلام کا زبردست شعار ہے، قرآن کریم میں لتکبرو الله علی ماهداکم کہہ کر اس کی ترغیب دی گئی ہے، شعار ہونا یوں بھی ظاہر ہے کہ یہ دن مسلمان کے لیے خوشی کا دن ہے، ہر قوم کے یہاں خوشی منانے کے لیے کچھ دنوں کا تعین کیا گیا ہے، جن میں وہ اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں، انسان خوشی کے موقع پر قابو میں نہیں رہتا، اس لیے ان اقوام نے عموماً خوشی منانے کا یہ انداز اختیار کیا ہے کہ ان دنوں میں کھیل کود، لہو ولعب اور تفریح کے نئے نئے طریقے اختیار کر لیے ہیں، ان کے مقابل مسلمانوں کو جو طریقہ بتایا گیا وہ یہ ہے کہ شہر اور دیہات کے سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں، اجتماعی طور پر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو کر عبدیت کا اظہار کریں اور نماز ادا

کریں، اس طرح شریعت نے خوشی کے موقع پر مسلمانوں کو دیگر اقوام عالم سے ممتاز کرنے کے لیے ایک شعار مقرر کر دیا اور شعار کا اظہار کرنے کے لیے اس نماز میں رفع یدین کے ساتھ تکبیراتِ زائدہ رکھ دی گئیں۔

رہا قنوتِ وتر میں رفع یدین کا مسئلہ، تو اس کی وضاحت میں علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے، **حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین** (البقرہ ۲۳۸) تمام نمازوں، خصوصاً صلوۃ وسطیٰ کی پابندی رکھو اور اللہ کے لیے قنوت کی حالت میں کھڑے رہا کرو۔ **قوموا للہ قانتین** میں دو لفظ ہیں، ایک قیام، دوسرے قنوت، قیام کے گوکئی معنی ہیں مگر یہاں مشہور معنی کھڑی ہونا ہی مراد ہے۔ اور نماز میں قیام کا حکم اس سے ثابت ہوتا ہے، اور قنوت ایک جامع لفظ ہے، جس کے معنی دعا کے بھی ہیں، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں قنوت یا دعائے قنوت کے وقت قیام بھی مطلوب ہے، یعنی قرآن کریم میں **قوموا للہ قانتین** کہہ کر جس چیز کی دعوت دی گئی ہے اس کو نماز کے اندر کم از کم ایک جگہ تو اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ احناف اور شوافع دونوں نے اس حکم کی اپنے ذوق کے مطابق تعمیل کی، البتہ شوافع نے قنوت کو مستقل حیثیت نہیں دی بلکہ نماز فجر میں رکوع کے بعد قومہ میں اس کو لے لیا اور شاید قنوت کے فجر میں ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں **الصلوة الوسطیٰ** سے بھی مراد فجر کی نماز لی گئی۔

جبکہ حنفیہ نے قنوت کو دوامی طور پر وتر کے اندر ملحوظ رکھا اور جب قنوت روایات صحیحہ کی بنیاد پر وتر کے ساتھ ملحق ہو گیا تو اس کے لیے آیت مذکورہ پر عمل کے تقاضے میں قیام کی ضرورت ہوئی پھر یہ کہ قیام تو پہلے ہی سے چل رہا ہے جس کے آغاز پر شعار کا اظہار کرنے کے لیے رفع یدین کیا گیا تھا اب جو دوسرا قیام **قوموا للہ قانتین** کے تقاضے میں شروع ہوا تو یہاں بھی شعار کی حیثیت ظاہر کرنے کے لیے رفع یدین مطلوب ہو گیا، گو کہ یہ قیام عملاً علیحدہ نہیں ہے، بلکہ پچھلے قیام کے ساتھ اس کو مربوط کر دیا گیا ہے۔

روایت کے معنی کا تعین

حضرت علامہ کشمیریؒ نے روایت سے قصر اضافی سمجھا ہے، قصر اضافی میں معنی مرادی

کے تعین میں مخاطب کے حال کا بھی پیش نظر رکھنا مفید ہوتا ہے، یہاں یہ صورت ہے کہ حضرتِ ابن عباسؓ کی روایت میں نماز کے سلسلے میں صرف ایک رفع منقول ہوا ہے اور وہ ہے تحریمہ کا رفع، اب اگر یہ روایت مرفوع ہے یعنی یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خاص مصلحتوں[1] کی وجہ سے ابتداءً علامت کے طور پر نماز میں کئی جگہ رفع یدین کا حکم دیا گیا وہ مصلحت ذہن نشین ہوگئی تو بتلا دیا کہ اب رفع یدین کی ہر جگہ ضرورت نہیں، شعار کی علامت کے طور پر تحریمہ کا رفع کافی ہے۔ کیونکہ مخاطب نماز میں رفع یدین کو کئی جگہ مشترک سمجھ رہا تھا، قصر کے ذریعہ اس کو ایک جگہ کے ساتھ خاص کیا جا رہا ہے، اس لیے بلاغت کی اصطلاح میں اس کو "قصر افراد" کہتے ہیں۔

اور اگر اس روایت کو ابن عباسؓ پر موقوف مانا جائے کہ یہ انھیں کا بیان ہے، پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد نہیں ہے تب بھی یہ قصر افراد ہی ہے، ابن عباسؓ دیکھ رہے ہیں کہ بعض حضرات نماز میں کئی جگہ رفع یدین کر رہے ہیں اور رفع یدین کے متعدد مقامات پر کئے جانے کے قائل ہیں اس لیے ان پر ایک طرح کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں رفع یدین تو صرف تحریمہ کے موقع پر ہے، کسی اور انتقال کے موقع پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) حضرت براءؓ بن عازب کی روایت

تارکین رفع کے مستدلات میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت بھی ہے، یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ سے منقول ہے، ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں عن البراءؓ بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لا يعود، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرماتے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر کسی جگہ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، ابوداؤد میں یہ روایت تین سندوں سے مذکور ہے، ابوداؤد نے پہلی دوسندوں پر شریک کے تفرد، اور تیسری سند میں ابن ابی لیلیٰ صغیر کے ضعیف راوی ہونے کی وجہ سے غیر صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے،

[1] ان مصلحتوں کا ذکر آ چکا ہے کہ وہ تعظیم اور اقبال علی اللہ بھی ہو سکتی ہیں۔ توحید کا اقرار اور شرک سے برأت وغیرہ بھی۔ واللہ اعلم۔

امام بخاری نے بھی جز ء رفع الیدین میں نقل کر کے تنقید کی ہے، روایت طحاوی میں بھی ہے دار قطنی میں بھی ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے اور دیگر کتابوں میں بھی ہے۔

اس روایت پر بھی قائلین رفع کی جانب سے بہت جرح وتنقید کی گئی ہے، جرح کا مقصد یہی ہے کہ روایت ترک رفع کے حق میں استدلال کے قابل نہ رہے، لیکن اس مقصد کا حاصل کرنا ممکن نہیں جرح کا خلاصہ یہ ہے کہ لم یعد، یاثم لایعود ثابت نہیں ہے۔ اور اس کے لیے کئی باتیں کہی گئیں ہیں۔

(۱) ابوداؤد نے فرمایا کہ "لایعود" کے الفاظ یزید بن ابی زیاد سے صرف شریک نے نقل کئے ہیں، جبکہ ہشیم، خالد، اور ابن ادریس وغیرہ کی روایت میں لایعود نہیں ہے، گویا محدثین کی اصطلاح میں شریک کی روایت میں آنے والا لفظ لایعود مدرج ہے اور ثقات کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہے۔

(۲) سفیان بن عیینہ نے کہا کہ یزید بن ابی زیاد بہت دنوں تک لایعود کے بغیر روایت کرتے تھے، اور سفیان اپنا گمان اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب اہل کوفہ نے لایعود تلقین کر دیا تو وہ روایت کو اس تلقین کردہ لفظ کے ساتھ نقل کرنے لگے۔ سفیان کا یہ ظن بیہقی نے بہت کمزور راویوں کی سند سے نقل کیا ہے۔

(۳) امام احمدؒ نے بھی لایعود والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور مسند میں (جلد ۴، ص ۳۰۱) پر حضرت براءؓ کی جو روایت دی ہے اس میں صرف رایت رسول اللہ ﷺ حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ مذکور ہے لایعود نہیں ہے۔

اعتراضات کا جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ ان اعتراضات میں کوئی اہمیت نہیں، شریک کے بارے میں کیا گیا تفرد کا دعویٰ خلاف واقعہ ہے، یزید بن ابی زیاد سے لایعود کا اضافہ نقل کرنے والے متعدد راوی موجود ہیں، طحاوی، دارقطنی، کامل ابن عدی، المحو ہرالنقی وغیرہ میں یزید بن ابی زیاد سے لایعود نقل کرنے والوں میں سفیان ثوری، ہشیم، اسماعیل بن زکریا، اسرائیل بن یونس اور حمزہ زیات وغیرہ کے نام شامل ہیں، نیز یزید بن ابی زیاد بھی ابن ابی لیلیٰ سے نقل کرنے

میں متفرد نہیں ہیں ان کے متابعات بھی موجود ہیں، اس لیے لا یعود پر ادراج یا شذوذ کا حکم لگانا اپنے مسلک کی پیروی میں انصاف کو پس پشت ڈالنے کے مرادف ہے۔

اسی طرح سفیان بن عیینہ کا تبصرہ بھی حقیقت کا بیان نہیں وہ تو صرف اپنا ایک گمان ظاہر کر رہے ہیں وہ چونکہ رفع کے قائل ہیں اس لیے ترک رفع کی دلیل میں احتمال پیدا کرنا ایک فطری عمل ہے، انھوں نے ایک احتمال پیدا کر کے لا یعود کے اضافہ کو کمزور کرنے کی کوشش کی تھی، پھر بیہقی کی سنن اور دوسری کتابوں میں اس تبصرہ کے ساتھ ایسی باتیں شامل کردی گئیں جو تاریخی اعتبار سے بالکل غلط ہیں، بیہقی میں ابراہیم بن بشار رمادی اور محمد بن حسن بربھاری جیسے کمزور اور انتہائی ضعیف راویوں کے واسطہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے مکہ میں یزید بن ابی زیاد سے ثم لا یعود کے بغیر روایت سنی تھی، پھر جب یزید مکہ سے کوفہ گئے تو وہاں کے لوگوں نے روایت میں لا یعود کی تلقین کی جسے یزید نے قبول کرلیا۔ ابن حبان نے اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے کہ یزید بن ابی زیاد عمر رسیدہ ہو گئے تو ان کا حافظہ متاثر ہو گیا تھا، اور وہ تلقین کو قبول کرنے لگے تھے، اس لیے جن تلامذہ نے ان کے کوفہ جانے سے پہلے ابتداء عمر میں ان سے روایات لی ہیں وہ صحیح ہیں، پھر خطابی نے اس کی وضاحت کی کہ یزید کوفہ جانے سے پہلے اس روایت کو ثم لا یعود کے اضافہ کے بغیر سناتے تھے، جب کوفہ سے واپس ہوئے تو اس اضافہ کو اہل کوفہ سے سننے کے بعد روایت کرنے لگے۔

حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ یزید بن ابی زیاد پہلے مکہ میں رہتے تھے اور وہاں ان کی روایت میں لا یعود نہیں تھا، کوفہ جانے کے بعد یہ اضافہ ہوا، حالانکہ یزید بن ابی زیاد کوفہ ہی کے رہنے والے ہیں، ان کی ولادت ۴۷ھ میں، اور وفات ۱۳۶ھ میں ہے اور سفیان بن عیینہ کی پیدائش بھی کوفہ ہی میں ۱۰۷ھ میں ہے، پھر سفیان ۱۶۳ھ میں مکہ مکرمہ میں منتقل ہو گئے تھے اور مکہ مکرمہ ہی میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی، گویا سفیان اپنی پیدائش سے لے کر یزید کی وفات تک کوفہ ہی میں رہے اور یزید کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً تیس سال تھی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پہلے انھوں نے یزید سے مکہ میں بغیر اضافہ کے روایت سنی، پھر یزید کوفہ گئے تو اہل کوفہ نے لا یعود کی تلقین

کردی۔

ان تاریخی حقائق کی بنیاد پر یہی کہا جائے گا کہ سفیان بن عیینہ نے پہلے **لایعود** کے بغیر یہ روایت کوفہ ہی میں سنی، اور پھر **لایعود** کے ساتھ بھی کوفہ ہی میں سنی اور اس میں سفیان نے تلقین کا جو گمان ظاہر کیا تھا وہ ان کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف روایت میں احتمال آفرینی کی کوشش سے زیادہ نہ تھا لیکن بعد کے لوگوں نے اس کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا، حقیقت زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوئی کہ یزید بن ابی زیاد نے کسی موقعہ پر روایت کو مختصر اور کسی موقع پر مفصل بیان کیا اور ایسا محدثین کے یہاں بکثرت پایا جاتا ہے۔

اسی طرح امام احمد کا **لایعود** کے الفاظ کو کمزور قرار دینا، اور مسند میں روایت کو **لایعود** کے بغیر نقل فرمانا، تو اس سے مسئلہ پر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، کیونکہ ترک رفع پر استدلال کے لیے **رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ** کافی ہے، یہ اسی طرح کا استدلال ہے جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے مالکیہ کی کتاب المدونۃ الکبریٰ (جلد ۱، ص۶۹) میں کیا گیا ہے، مدونہ میں ذکر کردہ روایت میں صرف تکبیر تحریمہ کا رفع ہے، کسی اور موقع پر رفع یا ترک رفع کا تذکرہ نہیں ہے، نیز اس طرح کا استدلال امام ابوداؤد نے ترکِ رفع پر حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے کیا ہے جس میں **کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل فی الصلوۃ رفع یدیہ مدا** (ابوداؤد جلد ۱، ص ۱۱۰) مذکور ہے یعنی صرف تکبیر تحریمہ کا رفع مذکور ہے، بقیہ مقامات سے سکوت ہے، اس لیے اگر مسند احمد کی حضرت براء بن عازبؓ کی مذکورہ بالا روایت سے استدلال کیا جائے تو استدلال یقیناً درست ہے۔ **لم یعد یا ثم لایعود** کی تصریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

علامہ کشمیریؒ کے کچھ افادات

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے بھی اس روایت پر گفتگو کے لیے دارقطنی کی اس روایت کو بنیاد بنایا ہے جس میں ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا ہے **سمعت البراءؓ فی ھذا المجلس یحدث قوما منھم کعب بن عجرۃ قال رأیت رسول اللہ صلی**

اللہ علیہ وسلم حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ . (سنن دارقطنی جلد ا،ص ۱۱۰) کہ میں حضرت براءؓ کو اس مجلس میں ایک قوم کے سامنے، جس میں حضرت کعبؓ بن عجرہ بھی تھے، یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو رفع یدین کیا، پھر حضرت علامہ نے چند دیگر طرق نقل کئے، پھر روایت کی تقویت کے لیے چند قرائن ذکر فرمائے۔

(۱) بظاہر اس مجلس سے مراد کوفہ کی مسجد اعظم میں ہونے والی مجلس ہے جس کا ذکر روایت میں آتا ہے۔ (مثلاً بخاری جلد ۲، ص ۶۴۸) میں ہے کہ عبداللہؓ بن معقل کہتے ہیں قعدت الی کعب بن عجرۃ فی ھذا المسجد ای مسجد الکوفہ الخ عہد صحابہ میں یہ بہت بڑی مسجد تھی، اس کا مورخین نے بھی ذکر کیا ہے، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں میری ملاقات یکے بعد دیگرے ایک سو بیس انصار سے ہوئی ہے۔ مقصد اس تفصیل کے ذکر کرنے کا یہ ہے کہ حضرت براءؓ نے یہ بات صحابہ کی مجلس میں ارشاد فرمائی اور سب نے اس کی تصدیق کی تو یہ ترکِ رفع پر اتفاق کا مضبوط قرینہ ہوا۔

(۲) محدثین کا اصول ہے کہ اگر روایت میں کوئی قصہ یا قصہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہو تو یہ راوی کے حفظ کی دلیل ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے۔

(۳) کوفہ کی اس بڑی مسجد میں صحابہ کی موجودگی میں روایت کا بیان کرنا اس بات کا قوی قرینہ ہے کہ اس مسجد میں ترکِ رفع کا معمول تھا، اگر یہ معمول نہ ہوتا تو جیسے حضرت وائلؓ کی روایت پر حضرت ابراہیم نخعی نے تبصرہ کیا ہے، اسی طرح کا تبصرہ کسی نہ کسی سے منقول ہونا چاہیے تھا۔

(۴) حضرت براءؓ بن عازب کی زندگی کوفہ ہی میں گذری اور وہیں ان کا انتقال ہوا، یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ اہل کوفہ کا معمول ترک رفع کا رہا ہے، اگر حضرت براءؓ کی روایت ان کے معمول کے خلاف ہوتی تو یہ بات مشہور ہونی چاہیے تھی۔

ان تمام باتوں کا تقاضہ یہی ہے کہ حضرت براءؓ بن عازب کی روایت، ترک رفع کے سلسلہ میں قابل استدلال ہے اور حضرات محدثین کی جانب سے ترک رفع کے سلسلے میں روایت کو ناقابل استدلال بنانے کے لیے جو کہا گیا ہے وہ انصاف سے دور ہے۔ واللہ اعلم۔

اصل مسئلہ کی تنقیح

یہاں تک کی معروضات کا خلاصہ ترک رفع کے سلسلے میں چند دلائل کا ذکر، پھر فریقین کی ایک دوسرے پر تنقید اور اس کا منصفانہ جائزہ ہے، لیکن اصل مسئلہ کی تنقیح کے لیے مسئلہ کی تاریخی نوعیت کو زیرِ بحث لانے کی ضرورت ہے کہ عہدِ رسالت میں کس جانب عمل کی کثرت رہی، احادیث میں کسی جانب پائی جانے والی کثرت وقلت کی وجہ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ خلافتِ راشدہ میں کیا معمول رہا؟ مشہور اسلامی مرکزوں میں کیا صورتِ حال رہی؟ ائمہ متبوعین میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ترک رفع کو ترجیح دینے کے باوجود، امام شافعی اور امام احمد کے زمانہ میں کیا تبدیلی پیدا ہوئی؟ وغیرہ اس لیے آخر میں ان موضوعات کا مختصر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

احادیث میں ترک ورفع

یہ بات ظاہر ہے کہ احادیث میں رفع اور ترک رفع دونوں ہی مذکور ہیں، حضراتِ محدثین کا ذوق اور طریقہ یہ ہے کہ وہ رواۃ کی کثرت پر نظر رکھتے ہیں لیکن اربابِ تحقیق کے نزدیک راویوں کی کثرت ہر موقع پر اس بات کی ضمانت نہیں کہ عمل بھی کثرت سے رہا ہو، اس لیے جس طرح روایوں کی کثرت وقلت سے بحث کی جاتی ہے اس سے زیادہ ضروری بحث یہ ہے کہ پیغمبر علیہ والصلوۃ والسلام کے یہاں رفع کی کثرت رہی یا ترک رفع کی۔

روایات سے یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ عہد رسالت میں زیادہ تر عمل ترک رفع پر ہوتا رہا، مثلاً مغیرہ بن مقسم نے حضرت ابرہیم نخعی سے حضرت وائلؓ بن حجر کی رفع یدین کی روایت پیش کر کے سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت وائلؓ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے ہوئے ایک بار دیکھا ہے، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ترک رفع کرتے ہوئے پچاس بار دیکھا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے نہایت منصفانہ تبصرہ کیا ہے کہ رفع کا انکار نہیں کیا، لیکن یہ بات خاص طور پر ارشاد فرمائی کہ سنت مرفوعہ میں رفع کو ترک سے ایک

اور پچاس کی نسبت ہے یعنی رفع کا عمل بہت کم اور ترک رفع کا بہت زیادہ ہے، یا مثلاً اسی بات پر غور کرلیا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے راوی صحابہ کی تعداد تو پچاس سے بھی زیادہ ہے لیکن رکوع وغیرہ میں رفع یدین کے راویوں کی تعداد اس سے بہت کم ہے، جبکہ رفع یدین جیسے کثیر الوقوع عمل کے نقل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہونی چاہیے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترک رفع کے راویوں کی تعداد بھی تو زیادہ نہیں ہے؟ لیکن یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیے کہ رفع یدین ایک وجودی فعل ہے، جس کو سب لوگ دیکھتے ہیں اور نقل کرتے ہیں، اور ترک رفع غیر وجودی چیز ہے جس کا نقل کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

علامہ ابن تیمیہ کا بیان کردہ اصول

اس سلسلہ میں علامہ ابن تیمیہ نے بہت اچھا اصول بیان کیا ہے وہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جہراً یا سراً پڑھنے کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں، گفتگو میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک جہر پر مداومت فرماتے تھے تو اس کو متواتر طور پر نقل ہونا چاہیے تھا، ابن تیمیہ جواب دیتے ہیں۔

کہ عادۃً جن باتوں کو نقل کرنے میں دلچسپی لی جاتی ہے اور جن کے نقل کرنے میں لوگوں میں داعیہ بھی پایا جاتا ہے نیز جن چیزوں کا نقل کرنا شرعاً بھی ضروری ہے وہ صرف وجودی امور ہیں جہاں تک غیر وجودی امور کا تعلق ہے تو ان کی کوئی اطلاع نہیں دی جاتی اور صرف ضرورت کی صورت میں ہی اُن کو نقل کیا جاتا ہے۔''

پھر چند سطروں کے بعد کہتے ہیں:

''عادت اور شریعت کے دواعی کے باوجود کسی چیز کا نقل نہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیز وجود میں نہیں آئی۔'' (فتاوی جلد ۲۲ ص ۴۱۸)

علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے اس اصول کو رفع یدین پر منطبق فرماتے ہوئے لکھا ہے:

''ترک رفع اور رفع میں احادیث کی کثرت و قلت پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور شاید اس بات کو اہل ذوق بھی تسلیم کریں گے کہ ترک رفع کا عمل عہد رسالت میں بہ کثرت ہوا ہے یعنی رفع کے مقابلہ پر ترک رفع کی کثرت تھی، البتہ اس کی سند یں اس

لیے کم ہیں کہ یہ غیر وجودی امر تھا، اور غیر وجودی امور کی نقل کم ہی کی جاتی ہے۔" (حاشیہ نیل الفرقدین ص ۱۴۸)

ان حقائق کو سامنے رکھ کر اب اس طرح غور کرنا چاہیے کہ صفت صلوۃ سے متعلق وہ روایات جن میں رفع یدین کا تذکرہ نہیں ہے، خصوصاً وہ روایات جن میں راوی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی صراحت کرتا ہے لیکن رکوع وغیرہ کے سلسلہ میں رفع یا ترک رفع سے سکوت اختیار کرتا ہے، وہ تمام روایات ترک رفع کی دلیل ہیں اور اس طرح غور کیا جائے تو ترکِ رفع کی روایات کی تعداد رفع سے کہیں زیادہ ہو جائے گی۔

تعدادِ رواۃ کا منصفانہ جائزہ

یہاں رفع یدین کے راوی صحابۂ کرام کی تعداد کا بھی منصفانہ جائزہ ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سلسلہ میں غلط فہمی یا مغالطہ بھی ہوا ہے اور بعض حضرات نے مبالغہ سے بھی کام لیا ہے، حافظ ابن حجر نے اپنے شیخ ابوالفضل الحافظ کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے رفع یدین کے راوی صحابہ کے نام تلاش کئے تو ان کی تعداد پچاس نکلی، امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں پہلے سترہ صحابہ کے نام گنائے، پھر حسن اور حمید بن ہلال کا مقولہ نقل کر کے دعویٰ کر دیا کہ انھوں نے کسی کا استثناء نہیں کیا، گویا یہ ثابت ہو گیا کہ تمام صحابہ کرام رفع یدین کرتے تھے۔ بیہقی نے دعویٰ کیا کہ اس عمل کے راوی تیس صحابہ ہیں، حاکم اور بیہقی نے کہا کہ رفع یدین کی روایت پر عشرہ مبشرہ کا بھی اتفاق ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تعداد رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت راویوں کی نہیں ہے، عراقی کہتے ہیں کہ انھوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے راوی صحابہ کے نام جمع کئے تو ان کی تعداد پچاس تھی، دوسرے یہ کہ جن صحابہ کے نام رفع کی روایت میں آ رہے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہی صحابہ سے ترک بھی منقول ہے۔ تیسرے یہ کہ کتنے ہی صحابہ سے نقل کی جانے والی روایات آپ ہی کے معیار کے مطابق قابل ذکر بھی نہیں ہیں۔

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہٗ نے اس گوشہ پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین مقامات پر رفع یدین کے راویوں کی تعداد پچاس نہیں ہے، یہ تعداد

صرف تکبیر تحریمہ کے وقت کے رواۃ کی ہے، جیسے کہ بیہقی نے تیس نام کا دعویٰ کیا تھا لیکن انھیں یہ کہنا پڑا کہ ان میں صحیح سندوں کی تعداد صرف پندرہ ہے، حضرت علامہ نے ان تمام روایات کا ذکر کے بتایا کہ اگر ان کا بھی خلاصہ کیا جائے تو مرفوع روایات کی تعداد صرف پانچ یا چھ رہ جاتی ہے اور اتنی ہی تعداد ترکِ رفع کے راویوں کی بھی ہے، ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے طرق کم ہیں، اور رفع کی روایات کے طرق بہت زیادہ ہیں لیکن اس کم زیادہ سے کوئی فرق اس لیے نہیں پڑتا کہ عمل میں جس طرح رفع متواتر ہے، اسی طرح ترک رفع اس سے کہیں زیادہ متواتر ہے۔

آثار صحابہؓ و تابعینؒ میں ترکِ رفع

احادیث مرفوع کے بعد، آثار صحابہ و تابعین میں بھی مسئلہ کی نوعیت یہی معلوم ہوتی ہے کہ ترک کا عمل بہ کثرت ہے اور رفع کا اس کے مقابل کم ہے، اور ایک زمانہ میں تو یہ عمل اتنا زاویۂ خمول میں چلا گیا تھا کہ حضرت ابن عمرؓ کو اس عمل کی بقا کے لیے کنکریاں استعمال کرنے کی نوبت بھی آ گئی تھی۔

آثار صحابہ تابعین کے نقل میں بھی افراط و تفریط ہوگئی ہے جیسے امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں دعویٰ کر دیا کہ حسن اور حمید نے کسی کا استثناء نہیں کیا گویا سب ہی رافعین تھے لیکن آپ امام ترمذیؒ کا تبصرہ وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين پڑھ چکے ہیں، امام ترمذی کے اس تبصرہ کی اہمیت کو یوں سمجھئے کہ ترمذی خود رفع یدین کے قائل ہیں، لیکن وہ امام بخاری کی طرف دوسری جانب سے صرف نظر کے عادی نہیں ہیں، اس لیے انھوں نے دیانتداری سے نقل فرمایا کہ صحابہ و تابعین کی اکثریت ترکِ رفع کی قائل ہے جبکہ وہ رفع یدین کے بارے میں وبہ يقول بعض اهل العلم فرمارہے ہیں کہ رفع یدین کے قائل بعض حضرات ہیں، یعنی یہ لوگ اقلیت میں ہیں۔

پھر اگر رفع و ترکِ رفع کرنے والوں کے نام شمار کئے جائیں تو دونوں طرف کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو جائے گی، لیکن فریقین کی تعداد میں اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہیے

کہ رفع ایک وجودی فعل ہے جس کی نقل کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور ترک ایک عدمی اور غیر وجودی امر ہے، جس کی نقل کا اہتمام بہت کم ہوتا ہے، اس لیے اگر دونوں طرف کی تعداد برابر بھی ہوتی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ ترک کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔

اس کا کچھ اندازہ ان لوگوں کے بیان سے ہوسکتا ہے جنھوں نے اپنے مشاہدات نقل کئے ہیں یا تاریخ پر گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی بات کہی ہے، مثلاً امام طحاوی نے ابوبکر بن عیاش (ولادت ۱۰۰ھ، وفات ۱۹۳ھ) سے نقل کیا ہے **مارایت فقیها قط یفعله یرفع یدیه غیر التکبیرة الاولیٰ** ۔ میں نے تکبیر اولیٰ کے علاوہ، کسی بھی موقع پر کسی فقیہ کو رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ دوسری صدی ہجری کا مشاہدہ ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس دور میں ترک رفع کی کثرت تھی۔

اسی روشنی میں ان تبصروں کو سمجھنا چاہیے جو قائلین رفع کی جانب سے رفع کی تائید میں نقل کئے گئے ہیں، مثلاً ابن حجرؒ نے ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) کی یہ بات نقل کی ہے **کل من روی عنه ترک الرفع فی الرکوع والرفع منه روی عنه فعله الا ابن مسعود**، ابن مسعود کے علاوہ تمام تارکین رفع سے، رفع بھی منقول ہے، اگر عہد صحابہ و تابعین کے احوال پر نظر ہو تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ جن لوگوں سے بکثرت ترک رفع منقول ہے ان سے کبھی کبھی رفع یدین بھی ثابت ہے، البتہ ابن مسعودؓ سے احیاناً بھی اس کا ثبوت نہیں ہے۔

یا مثلاً ابن عبدالبر کی مشہور کتاب **الاستذکار فی شرح مذاهب علماء الامصار** میں محمد بن نصر مروزی[1] سے منقول ہے **لانعلم مصرا من الامصار ترکوا باجماعهم رفع الیدین عند الخفض والرفع الا اهل الکوفة**، (بحواله

---

[1] محمد بن نصر مروزی کی ولادت ۲۰۰ھ اور وفات ۲۹۴ھ میں ہے، ان کی اہمیت یہ ہے کہ انھیں اختلافی مسائل میں سند کی حیثیت حاصل ہے، ابن حبان نے انھیں **احد الائمة فی الدنیا** اور **اعلم اهل زمانه بالاختلاف** جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے، خطیب نے ان کے بارے میں کہا ہے **کان من اعلم الناس باختلاف الصحابة ومن بعدهم فی الاحکام** اسی خصوصیت کی بنیاد پر اختلافی مسائل میں ان کی رائے کو نقل کیا جاتا ہے، اور سب کے نزدیک اس کو اہمیت دی جاتی ہے۔

التعلیق الممجد ص۹۱) ہم اہل کوفہ کے علاوہ، کسی ایسے شہر سے واقف نہیں ہیں کہ جہاں رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت اجماعی طریقے پر رفع یدین کو ترک کر دیا گیا ہو، عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل کوفہ تو ترک پر اتفاق رکھتے ہیں، بقیہ اسلامی شہروں میں دونوں باتوں پر عمل ہو رہا ہے، لیکن دونوں باتوں میں کثرت کس عمل کی ہے تو اگر چہ عبارت میں اس کی صراحت نہیں ہے، لیکن عربیت کا ذوقِ سلیم رکھنے والے جان سکتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ دیگر اسلامی شہروں میں اجتماعی طور پر ترکِ رفع کو اختیار نہیں کیا گیا گویا کسی نہ کسی درجہ میں رفع پر بھی عمل رہا۔

لیکن کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ محمد بن نصر کی بیان کردہ اس حقیقت کو جب حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا تو تعبیر یہ اختیار کی اجمع علماء الامصار علی مشروعیة ذلک الا اھل الکوفة[1] اہل کوفہ کے علاوہ تمام شہروں کے علماء رفع یدین کی مشروعیت پر اجماع رکھتے ہیں۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی کیونکہ حافظؒ کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ مشروعیت رفع پر سب متفق ہیں علاوہ اہل کوفہ کے کہ ان میں اتفاق نہیں ہے گویا وہاں اس مسئلہ میں دونوں رائے پائی جاتی ہیں۔ فالی اللہ المشتکی۔

خلاف راشدہ میں ترک ورفع

عہد صحابہ میں کسی مسئلہ پر عمل کی کثرت وقلت جاننے کا ایک آسان طریقہ خلافت راشدہ کی طرف رجوع کرنا بھی ہے نیز یہ کہ خلفاء راشدین کی سنت کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کی طرح واجب الاتباع قرار دیا ہے، اس لیے خلافت راشدہ میں کسی بھی معاملہ میں جو بھی طریقہ اختیار کیا گیا اس کو مسلمانوں کے درمیان قبول عام حاصل ہوا۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات تو معلوم نہیں ہوتی کہ کسی خلیفۂ راشد کے زمانہ میں رفع

---

[1] حافظ ابن حجرؒ کی یہ تعبیر روایت بالمعنی کی قبیل سے ہے، کیونکہ الاستذکار ۱۹۹۳ء میں میں جلدوں میں طبع ہوئی ہے، اور اس میں وہی الفاظ ہیں جو التعلیق الممجد میں دیئے گئے ہیں بلکہ کتاب میں الاھل الکوفة کے بعد یہ جملہ بھی ہے فکلھم لایرفع الا فی الاحرام یعنی اہل کوفہ سب کے سب صرف تکبیر تحریمہ میں رفع کرتے ہیں۔ (الاستذکار ج ۴، ص ۱۰۰)

یدین کا مسئلہ زیرغور آیا ہو، اگر ایسا ہوا ہوتا تو بعض دیگر اختلافی مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی محقق طور پر فیصلہ کن صورت سامنے آ گئی ہوتی، تاہم چاروں خلفاء کے عمل کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ہیں اور ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خلافت راشدہ میں کثرتِ عمل، ترک کی جانب ہے اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بیشتر عمل ترک رفع کا رہا ہے۔ اگر یہ حضرات رفع یدین پر عمل کرنے والے ہوتے تو مدینہ طیبہ میں ہر شخص اسی کو اختیار کرتا اور حضرت ابن عمرؓ کو اس عمل کے گوشۂ خمول سے نکالنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی، جب حضرت ابن عمرؓ کی زبردست کوشش کے باوجود امام مالک کے زمانہ تک مدینہ طیبہ میں تارکین کی کثرت ہے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ خلفاء راشدین میں سے کوئی ایک بھی رفع یدین پر عمل پیرا نہیں رہا۔

خلفاء راشدین کے بارے میں جو معلومات ہیں ان کو مختصر طور پر عرض کیا جاتا ہے۔

(۱) سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق کا زمانہ ہے، حضرت ابوبکرؓ، صحابہ کرامؓ میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے احوال اور علوم کے سب سے بڑے امین ہیں، اور اعلم شمار کئے جاتے ہیں، ان کے یہاں رفع یدین کی تعلیم کا یقینا ثبوت نہیں، عمل کے بارے میں دونوں باتیں منقول ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بیہقی میں قابلِ اعتماد سند کے ساتھ منقول ہے، **صلیت خلف النبی صلی الله علیه وسلم و ابی بکر و عمر فلم یرفعو ایدیهم الاعند فتتاح الصلوة** (بیہقی جلد۲ص۱۳۸) روایت میں ایک راوی محمد بن جابر ہیں کہ ان پر کلام بھی کیا گیا ہے اور توثیق بھی کی گئی ہے، بہرحال روایت درجۂ حسن سے نیچے کی نہیں ہے اور اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رفع یدین نہ کرنے کی صراحت ہے۔

البتہ بیہقی ہی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے رفع یدین کا عمل بھی ثقہ راویوں کے ذریعے منقول ہے، نیز یہ کہ ان کے نواسہ حضرت عبداللہ بن زبیر رفع یدین پر عمل پیرا تھے، انھیں کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں اس عمل کو فروغ حاصل ہوا اور ان کے بارے میں یہ سمجھا گیا ہے کہ انھوں نے نماز کا طریقہ اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھا تھا۔

اب ان دونوں باتوں کو میزانِ عقل پر پرکھنے کی ضرورت ہے، جس طرح یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے رفع یدین ثابت نہیں اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ان کے

یہاں رفع یدین کا التزام کیا گیا نیز یہ کہنا بھی بہت مشکل ہے کہ ان کے یہاں رفع یدین کا عمل بکثرت ہوا ہے، یہی صورت حال صحیح معلوم ہوتی ہے کہ شاذ و نادر انھوں نے اس سنت پر بھی عمل کیا، اور بچپن میں نواسے نے اسی کو سیکھ لیا، لیکن خود اُن کا عمل کثرت سے ترک رفع ہی رہا، ورنہ اس بات کی کیا توجیہ ہوگی کہ خلیفۂ اول کا عمل کثرت رفع کا ہو اور مدینہ طیبہ میں اس کے اثرات نمایاں نہ ہوں، ایسا ہوتا تو بعد میں آنے والے دوسرے خلفاء کو بھی یہی عمل اختیار کرنا چاہیے تھا اور مدینہ طیبہ میں اس عمل کو فروغ ہی نہیں استحکام حاصل ہو جانا چاہیے تھا۔

(۲) دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ ہیں، اُن سے بھی دونوں طرح کی روایات آ رہی ہیں۔ اور ان کے یہاں بھی رفع یدین کا التزام نہیں ہے، جن راویوں کے ذریعہ رفع کی روایات آ رہی ہیں وہ بھی صحیح کے راوی ہیں لیکن ترک رفع کے راوی ان سے زیادہ مضبوط ہیں۔ طحاوی اور مصنف ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح منقول ہے **عن الاسود قال رایت عمرؓ بن الخطاب یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لایعود** ۔اسود حضرت عبداللہ بن مسعود کے خصوصی شاگرد ہیں، دو سال تک حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھی رہے ہیں علقمہ بھی ان کے ساتھ تھے اور حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق انھوں نے تطبیق کا عمل ترک کر دیا تھا لیکن ترک رفع کو برقرار رکھا اور زندگی بھر ترک رفع پر عامل رہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے حضرت عمرؓ کو ترک رفع پر ہی عمل کرتے ہوئے دیکھا جس کو وہ نقل کر رہے ہیں، امام طحاوی نے حضرت عمرؓ کے اس اثر کو نقل کر کے ترک رفع کی ترجیح پر مدلل گفتگو کی ہے۔

حضرت عمرؓ سے رفع اور ترک رفع دونوں عمل کے ثبوت اور مدینہ طیبہ میں امام مالک کے عہد تک ترک رفع پر تعامل و توارث سے یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ ترک رفع پر کثرت سے عمل پیرا رہے ہوں گے، اور شاذ و نادر رفع پر بھی عمل فرمالیا ہوگا، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ بارہ سال کے عہد خلافت میں جس عمل کو اختیار کرتے رہیں اس کو مدینہ طیبہ میں استقرار حاصل نہ ہو۔

(۳) تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا شمار رافعین کی فہرست میں کہیں نظر سے نہیں گذرا، قرین قیاس یہی ہے کہ وہ بھی اپنے پیش رو خلفاء کی طرح ترک رفع پر

عامل رہے، کیونکہ رفع ایک وجودی فعل ہے، اگر رفع ہوتا تو اس کا منقول ہونا ضروری تھا، ترکِ رفع غیر وجودی فعل ہے اور اس کا نقل ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے بھی دونوں عمل منقول ہیں، لیکن رفع کے ناقل بہت کم ہیں یعنی ایک یا دو افراد ہیں اور ترکِ رفع کے ناقل تمام اہلِ کوفہ ہیں، اور حضرت علیؓ کے تمام تلامذہ تارکین ہیں اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ کے نزدیک ترکِ رفع کا عمل راجح اور بکثرت تھا۔

حضرت علیؓ کا ترکِ رفع کا اثر بسند صحیح طحاوی، مصنف بن ابی شیبہ اور بیہقی میں موجود ہے ان علیا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لایعود۔

خلافتِ راشدہ میں رفع اور ترکِ رفع کی مختصر کیفیت کے بعد مشہور اسلامی علمی مراکز کی صورتِ حال پر بھی اجمالی نظر ڈال لینی چاہیے۔

مدینہ طیبہ میں ترک ورفع

مدینہ طیبہ عہد رسالت سے، حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ تک ہر اعتبار سے عالم اسلام کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے اور اس کے بعد بھی مدینہ طیبہ کے فقہاء سبعہ پھر صغار تابعین، پھر امام مالک کے عہد تک اس کی مرکزیت بڑی حد تک برقرار رہی۔

خلفاء راشدین کا عمل کثرت کے ساتھ ترک رفع کا رہا، اس لیے امام مالک کے زمانے تک رفع یدین کو فروغ حاصل نہ ہوا، لیکن چونکہ رفع یدین پر بھی شاذ و نادر عمل ہوتا رہا، اور کچھ لوگوں نے رفع یدین پر نہ صرف یہ کہ کثرت کے ساتھ عمل کیا بلکہ اس کی بقا کی بھی کوشش کی، اس لیے کسی نہ کسی درجہ میں رفع یدین پر بھی عمل کیا گیا، تاہم امام مالک کے دور تک ترکِ رفع پر عمل کی کثرت رہی، ابن رشد نے (بدایت المجتہد ص ۱۳۴) میں لکھا ہے منهم من اقتصر به علی الاحرام فقط ترجیحاً لحدیث عبدالله بن مسعود و حدیث البراءؓ بن عازب، وهو مذهب مالک لموافقة العمل به۔ کچھ فقہاء نے رفع یدین کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت براءؓ بن عازب کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ خاص کیا ہے، اور یہی امام مالک کا مذہب ہے اس لیے کہ

اسی کی موافقت میں عمل جاری تھا۔

امام مالکؒ کے یہاں تعامل اہل مدینہ کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے **لمو افقة العمل به** کے یہی معنی ہیں کہ امام مالک کے زمانہ تک اہل مدینہ کا عمل ترک رفع کا تھا، اس لیے ابن عمرؓ کی روایت کے خلاف مسلک اختیار کرنے کی بنیاد تعامل اہل مدینہ ہے۔

مکہ مکرمہ میں ترک ورفع

دوسرا بڑا علمی مرکز مکہ مکرمہ ہے، اگر چہ عہد رسالت اور صحابہ کے ابتدائی زمانہ میں یہاں علم کا زیادہ چرچا نہیں تھا لیکن صحابہ کے آخری زمانہ میں اور تابعین کے دور میں یہاں علم پھیلتا چلا گیا، رفع یدین کے مسئلہ میں وہاں کیا حال تھا، اس کا کچھ اندازہ ابوداؤد اور مسند احمد کی اس روایت سے ہوسکتا ہے **عن میمون المكی انه رأی عبدالله بن الزبير صلى بهم يشير بكفيه حين يقوم و حين يركع وحين يسجد وحين ينهض للقيام فيقوم فيشير بيديه فانطلقت الى ابن عباس فقلت انی رأيت ابن الزبير صلى صلوة لم ار احداً ليصليها فوصفت له هذه الاشارة فقال ان احببت ان تنظر الى صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقتد بصلوة عبدالله بن الزبير** (ابوداؤد جلد ۱، ۱۰۸، مسند احمد جلد ۱، ص ۲۵۵)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مختلف مقامات پر رفع یدین کر کے نماز پڑھائی تو میمون مکی کو بہت حیرت ہوئی، انھوں نے فوراً ابن عباسؓ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا کہ ابن زبیرؓ نے تو ایسی نماز پڑھائی ہے کہ میں نے کبھی کسی کو ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، تو حضرت ابن عباسؓ نے اُن کی حیرت کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ بھی سنت ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر یزید کے انتقال کے بعد ۶۴ھ میں بیعت ہوئی ہے، اور وہ ۷۳ھ تک مکہ مکرمہ میں حکمراں رہے ہیں، یہ واقعہ اسی زمانہ کا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۶۴ھ تک مکہ مکرمہ میں رفع یدین پر عمل اتنا کم تھا کہ عام مسلمان اس سے واقف بھی نہیں

عبداللہ بن زبیرؓ نے چونکہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھی تھی، حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے وقت ابن زبیرؓ کی عمر صرف بارہ سال تھی، اس عمر میں جو نماز انھوں نے سیکھی اس میں رفع یدین رہا ہوگا، اس لیے وہ اسی کے مطابق نماز پڑھتے رہے، جب مکہ مکرمہ میں انھیں اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگیا اور انھوں نے رفع یدین کے ساتھ امامت شروع کی تو مکہ مکرمہ میں اس عمل کو فروغ حاصل ہوگیا، امام شافعیؒ کے رفع یدین کو ترجیح دینے میں، مکہ مکرمہ کے تعامل کا بھی دخل ہے۔

کوفہ میں ترک ورفع

کوفہ تیسرا بڑا علمی مرکز ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ یہ شہر حضرت عمرؓ کے دور سے چوتھی صدی کے اوائل تک علم کا گہوارہ رہا ہے، ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام یہاں آ کر آباد ہوئے جن میں چوبیس بدری صحابی ہیں، اور تین عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، پھر یہ کہ اہل کوفہ نے صرف کوفہ میں آباد ہو جانے والے صحابہ کے علوم پر قناعت نہیں کی، بلکہ عہدِ تابعین ہی سے ان کا مدینہ طیبہ جانا، اور وہاں کے اکابر صحابہ سے علمی استفادہ کرنے کے واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں، امام بخاری کے زمانہ تک کوفہ کی علمی مرکزیت کی شان پوری طرح برقرار معلوم ہوتی ہے کہ بخاری میں سب سے زیادہ روایتیں کوفہ کے محدثین کی ہیں، بخاری نے یہ بھی کہا ہے کہ کوفہ اور بغداد میں محدثین کے ساتھ میرا جانا اتنی بار ہوا ہے کہ میں اس کو شمار بھی نہیں کرسکتا۔

اس علمی مرکز میں رفع یدین کی صورتِ حال محمد بن نصر مروزی کے بیان میں آ چکی ہے کہ ہزاروں صحابہ اور ان کے لاکھوں اہل علم متبعین کے اس شہر میں سب ہی اجماعی طور پر ترک رفع پر عمل پیرا رہے ہیں، اگرچہ کوفہ میں اقامت اختیار کرنے والے صحابۂ کرام میں بعض رفع یدین کی روایت کرنے والے بھی تھے اور ان کے حلقۂ اثر میں رفع یدین پر عمل ہونا چاہیے تھا لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ترکِ رفع کو ترجیح دینے کی وجہ سے رفع یدین کا عمل اس شہر میں رواج نہ پاسکا اور بالکل ہی متروک ہوگیا۔

ائمہ کے یہاں ترک ورفع

خلافت راشدہ اوران مشہور علمی مرکزوں کے تعامل کا اثر، ائمۂ متبوعین کے مسلک میں نمایاں ہے، امام اعظمؒ کا مسلک ترکِ رفع ہے اور یہ سلسلہ کوفہ میں قیام کرنے والے صحابہ، خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوران کے تلامذہ پھر خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چلا ہے، اگران حضرات کے یہاں رفع کی کثرت ہوتی تو کوفہ میں اس کا چرچا ہونا چاہیے تھا، لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمام اہل کوفہ اجماعی طور پر ترک رفع پر عمل پیرا تھے۔

دوسرے امام، حضرت امام مالکؒ ہیں جو مدینہ طیبہ میں مقیم رہے، امام مالکؒ کا طریق یہ ہے کہ وہ اہل مدینہ کے عمل کو، دوسرے تمام مقامات کے عمل پر ترجیح دیتے ہیں، انھوں نے رفع یدین کی روایات کو نقل کرنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا، بلکہ اہل مدینہ کے تعامل کی بنیاد پر ترک رفع کو اختیار کیا اور مالکیہ کے یہاں اسی پر عمل ہے۔

البتہ امام شافعی اور امام احمد کا مسلک رفع یدین کا ہے، امام شافعی، امام محمد اور امام مالک کے شاگرد ہیں، اور امام احمد، امام شافعی کے تلامذہ میں ہیں تو یہی کہا جائے گا کہ اساتذہ کے درجہ کے دو بڑے ائمہ نے ترک رفع کو ترجیح دی ہے اور تلامذہ کے درجے کے دو امام رفع یدین کی ترجیح کے قائل ہوئے ہیں، اس طرح غور کیا جائے تو ائمہ کے مسلک کی رو سے بھی ترک رفع ہی کو قوت اور فوقیت حاصل رہی کہ ہر موقع پر اساتذہ کی رائے، تلامذہ کے مقابلہ پر پختہ اور مضبوط تسلیم کی جاتی رہی ہے۔

تلامذہ کی رائے میں تبدیلی کی وجہ

یہاں فطری طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد رسالت سے امام مالک کے دور تک مدینہ طیبہ میں ترکِ رفع کی کثرت ہے، اور کوفہ میں اس کے بعد بھی صرف ترکِ رفع کا رواج ہے، اور امام شافعی امام مالک کے براہِ راست اور امام اعظم کے بیک واسطہ شاگرد ہیں، اسی طرح امام احمد بھی سلسلۂ تلمذ میں داخل ہیں تو ان کے یہاں اپنے اساتذہ کے خلاف رائے قائم کرنے کی کیا وجہ ہوئی، تجزیہ کے بعد جو اسباب بیان کئے جا سکتے ہیں

ان کا حاصل تین باتیں ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کے دور تک ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ اس مسئلہ میں دوسری رائے قائم کرنے کی گنجائش پیدا ہوگئی۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ترجیح کے معیار میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی، پہلے یعنی دوسری صدی کے نصف تک تعامل صحابہ و تابعین اصل معیار تھا، فن جرح و تعدیل کے بعد سند کو اولیت دی جانے لگی۔

(۳) تیسری بات یہ کہ امام شافعی کے پیش نظر اہل مکہ کا تعامل رہا، جہاں ان کی پرورش ہوئی اور عرصہ دراز تک وہیں ان کا قیام رہا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں بنیادوں کی وضاحت کی جائے۔

(۱)صورتِ حال میں تبدیلی

خلافتِ راشدہ اور صحابۂ کرام کے ابتدائی زمانہ میں اس مسئلہ کو زیادہ اہمیت حاصل نہیں تھی، جس نے پیغمبر علیہ السلام کو جس طرح نماز پڑھتے دیکھا وہ اسی طرح سے عمل کرتا تھا اور اسی لیے ان حضرات کے زمانہ میں اس مسئلہ پر بحث و گفتگو کی خبر منقول نہیں، البتہ صحابۂ کرام کے آخری زمانہ میں اس مسئلہ کو اہمیت دی جانے لگی۔ مدینہ طیبہ میں حضرت ابن عمرؓ نے رفع یدین کی بقاء کی کوشش کی اور حضرت ابن زبیرؓ کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں تو اس عمل کو قوت حاصل ہوگئی، ان دونوں صحابۂ کرام کا انتقال ۷۳ھ میں ہوا ہے۔

پھر یہ مسئلہ فقہاء و محدثین کے یہاں زیر بحث آنے لگا، جیسے ابراہیم نخعی (متوفی ۹۵ھ) سے حضرت مغیرہؒ نے حضرت وائلؓ کی روایت پیش کر کے رفع یدین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت وائلؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دیکھنے میں ایک اور پچاس کی نسبت ہے۔ اور جب کسی مسئلہ میں نوک جھونک شروع ہو جاتی ہے تو اربابِ تحقیق کے یہاں اس میں اختلاف رائے ہونے لگتا ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ علماء کی گفتگو مناظرانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے، اور اس مسئلہ میں پہلی صدی کے آخر میں یہی صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔

امام اعظمؒ کی امام اوزاعیؒ سے گفتگو

یہ گفتگو بھی دوسری صدی کے نصف سے پہلے کی ہے اور یہ اسی انداز کی حامل ہے، مختلف قابل اعتماد کتابوں میں اس کو نقل کیا گیا ہے کہ امام اعظم سے امام اوزاعیؒ نے دارالحناطین میں یہ پوچھا کہ آپ کے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ امام اعظم نے جواب دیا، اس لیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، امام اوزاعی نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ مجھ سے زہری نے بہ سند سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ آپ افتتاح صلوۃ میں اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین فرماتے تھے، امام اعظم نے جواب دیا کہ مجھ سے حماد نے بہ سند ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ بن مسعودؓ یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح صلوۃ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔ امام اوزاعی نے کہا کہ میں آپ کے سامنے زہری عن سالم عن ابن عمر کی سند سے حدیث پیش کر رہا ہوں اور آپ حماد عن ابراہیم کی سند سے حدیث پیش کر رہے ہیں؟ امام اعظم نے فرمایا، حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے، اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ تھے اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کمتر نہیں تھے، اگر چہ حضرت ابن عمرؓ کو صحابیت کے سبب فضیلت حاصل ہے اور اسود بھی بڑے صاحب علم و فضل تھے، اور عبداللہؓ تو عبداللہ ہی ہیں، چنانچہ امام اوزاعی خاموش ہو گئے۔

اس واقعہ سے علماء احناف نے یہ سمجھا ہے کہ جس طرح امام اوزاعی دو روایتوں سے ایک کو علو سند کی بنا پر ترجیح دینا چاہتے تھے، امام اعظم نے راویوں کی فقاہت کی بنیاد پر ترجیح دی ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی اصول کو مذہب منصور قرار دیا گیا ہے لیکن دوسری بات یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مقابلہ پر حضرت ابن عمرؓ کے بیان کو قبول نہیں کر رہے ہیں کیونکہ ابن عمرؓ اپنے تمام فضائل کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ سے چھوٹے ہیں، ابن مسعودؓ اور حضرت علی السابقون الاولون میں ہیں، اور حضرت ابن عمرؓ ہجرت کے وقت صرف تیرہ سال کے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وہ

چوبیس سال کے تھے، ایک نو جوان صحابی پر ان دونوں بزرگ صحابہ کو جو فوقیت حاصل ہو سکتی ہے اس کا ادراک مشکل نہیں ہے۔

امام محمد کی وضاحت

اس کی تفصیل امام محمدؒ نے کتاب الحج میں اس طرح بیان کی ہے کہ پہلے حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو قائلین رفع کے استدلال میں ذکر کیا، پھر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

''حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بسند قوی یہ بات ثابت ہے کہ وہ تکبیر افتتاح کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ علی ابن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عبداللہ بنؓ عمر سے بہت زیادہ علم رکھتے تھے، اس لیے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کو قائم کیا جائے تو عقل اور کمالِ عقل رکھنے والے صحابہ مجھ سے قریب رہا کریں، اور پھر ان کے بعد اس وصف میں دوسرے درجے والے، پھر ان کے بعد تیسرے درجہ والے رہا کریں۔ اس لیے ہم نہیں سمجھتے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھائیں تو اہلِ بدر کے علاوہ کوئی صحابی اگلی صف میں رہ سکیں گے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں پہلی اور دوسری صف میں تو اہل بدر اور اُن جیسے ارباب فضیلت ہی رہیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، جوانوں کی صف میں ان سے پیچھے رہیں گے، اس لیے ہمارا یقین ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور ان جیسے اہل بدرؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے کیونکہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب تھے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کیا عمل کرتے ہیں اور کیا عمل ترک فرماتے ہیں اس کو سب سے زیادہ یہی لوگ جانتے ہیں اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ امام مالک نے نعیم بن عبداللہ المجمر اور ابوجعفر انصاری سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ان کو نماز پڑھاتے تھے تو تکبیر تو ہر خفض اور رفع کے موقع پر کہتے تھے اور رفع یدین صرف افتتاح صلوٰۃ کے وقت کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث بھی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے موافق ہے،

لیکن ہمیں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں، مگر آپ ہی کی حدیث سے آپ کے خلاف استدلال کے لیے ہم نے اس کو بھی ذکر کر دیا ہے۔'' (کتاب الحج، امام محمد ص ۲۳)

امام محمدؒ کی عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی روایت کو ترجیح دینے کی بنیاد ان حضرات کا نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب، اور آپ کے احوال سے زیادہ واقفیت ہے اور دوسرے یہ کہ تعامل بھی اسی پر ہے۔

ہمارا منشا یہ ہے کہ امام شافعی کے دور سے پہلے ہی اس مسئلہ میں مناظرانہ انداز پر بحث وگفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، اور ایسی صورت میں دو رائے قائم کرنے کی گنجائش نکل آئی۔

(۲) ترجیح کے معیار میں تبدیلی

دوسری بات یہ ہے کہ امام شافعی کے دور سے پہلے ایک اور تبدیلی پیدا ہوئی کہ فن جرح وتعدیل ایجاد ہوا، اور سند کو پہلے سے زیادہ اہمیت دی گئی اور تعامل صحابہ تابعین سے سند کے مقابلہ پر چشم پوشی کرنا درست سمجھا جانے لگا اور جس طرح امام مالک نے اختلافی مسائل میں تعامل اہل مدینہ کو وجہ ترجیح قرار دیا تھا امام شافعی نے محدثین کے مقرر کردہ اصول اور صحت سند کو وجہ ترجیح قرار دیا، ان کا اصول مشہور ہے کہ وہ اختلافی مسائل میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی صدی کے اواخر تک صدق و دیانت کا دور دورہ تھا اس لیے رجالِ سند کی چھان بین اور ان کے احوال کی پوری پوری تحقیق وتنقید کا رواج نہیں تھا، امام مسلم نے مقدمہ میں ابن سیرین (المتوفی ۱۱۰ھ) کی بات نقل کی ہے لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما و قعت الفتنة قالو اسمو النا رجالکم فینظر الی اهل السنة فیوخذ حدیثهم و ینظر الیٰ اهل البدع فلا یوخذ حدیثه پہلے لوگوں میں رجالِ اسناد کے بارے میں تحقیق کا رواج نہیں تھا، پھر جب فتنہ پیش آ گیا تو انھوں نے

کہا کہ رجال سند کے نام بتاؤ یہ دیکھا جائے گا کہ رجال اہل سنت ہیں تو حدیث لی جائے گی اور اہل بدعت ہیں تو نہیں لی جائے گی۔''

حافظ سخاوی نے بھی اپنی کتابوں میں اس طرح کی بات لکھی ہے کہ تحقیق اور احتیاط اور رجال کے سلسلے میں کلام گوعہد صحابہ سے پایا جاتا ہے لیکن قرن اوّل یعنی صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں ضعیف راویوں کی تعداد بہت ہی کم تھی، قرن اول کے بعد یعنی اوساط تابعین کے زمانہ میں تحمل اور ضبط کے اعتبار سے ضعیف راویوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، پھر جب تابعین کا آخری دور آیا جسے ۱۵۰ھ کے قریب سمجھا جاتا ہے تو توثیق و تجریح کے سلسلے میں ائمہ کی جانب سے گفتگو کی جانے لگی، جیسے امام ابوحنیفہؒ نے جابر جعفی کے بارے میں فرمایا مارایت اکذب من جابر الجعفی ، پھر سخاوی نے کچھ اور ائمہ جرح وتعدیل کے نام ذکر کئے اور ان کے طبقات کی طرف بھی اشارہ کیا۔ (خلاصۃ الاعلان بالتوبیخ ص ۱۶۳)

مقصد یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے دور سے کچھ پہلے ہی دین کو نقصان پہنچانے والے فتنوں کا دروازہ کھل گیا تھا اور ان سے حفاظت کے لیے فن جرح وتعدیل کی ضرورت محسوس کر کے اس کی ابتداء کردی گئی تھی اور امام شافعی کے دور میں بڑی حد تک یہ فن نکھر کر سامنے آ گیا تھا، اس طرح الحمد للہ اسلاف کرام کی جدوجہد سے دین کا حریم محفوظ ہوگیا اور فرق باطلہ کی جانب سے داخل کئے جانے والے غلط افکار ونظریات سے دین کی حفاظت کا بہتر اور محکم انتظام کرلیا گیا۔

لیکن اس کے ساتھ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق سند اور فن جرح و تعدیل کی ایجاد کا منشا تو یہ تھا کہ دین میں ان چیزوں کو داخل ہونے سے روکا جائے جو دین میں سے نہیں ہیں لیکن یہ صورت بھی پیش آئی کہ کچھ لوگوں نے صحیح اور سقیم کے درمیان امتیاز کے لیے تعامل سلف سے اغماض اختیار کرتے ہوئے صرف سند پر انحصار کرلیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کہیں کہیں دین میں ثابت شدہ چیزوں کو بھی سند کی ترازو پر تولا جانے لگا۔[1]

---

[1] حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات مختلف انداز میں کئی جگہ موجود ہے، دیکھئے معارف السنن ج ۲، ص ۲۶۲۔ حاشیہ الاجوبۃ الفاضلۃ از شیخ ابوغدہ، ص ۲۳۸۔ اور حضرت مولانا احمد رضا صاحبؒ بجنوری نے بھی ملفوظات محدث کشمیری، ص ۳۴۳ میں ''تعامل سلف'' کے عنوان سے اس طرح کا ملفوظ نقل کیا ہے۔ (مرتب)

مسئلہ رفع یدین میں بھی یہی ہوا کہ ترک رفع تعامل سے تواتر کی حد تک ثابت ہے، لیکن جب اس مسئلہ میں سند پر انحصار کرلیا اور سند کی قوت کی بنیاد پر ترجیح کے عمل کا زمانہ آیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترکِ رفع والی روایت امام اعظمؒ کے اصح الاسانید والے اس طریق سے تو تلقی بالقبول حاصل نہ کرسکی جسے انھوں نے امام اوزاعیؒ کے مقابلہ پر پیش کیا تھا، اور جس طریق سے یہ محدثین تک پہنچی اس پر کلام کی گنجائش تھی، تو کسی نے اس کو حسن اور کسی نے صحیح قرار دے دیا، جبکہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت مضبوط سند کے ساتھ نقل ہوتے ہوئے محدثین تک پہنچی تو وہ اپنے مقررہ اصول کے مطابق تعامل سلف سے اغماض برتتے ہوئے اس کی ترجیح کے قائل ہوگئے۔ امام شافعیؒ چونکہ مسائل میں محدثین کے طریقے کو اختیار کرتے ہیں، اس لیے مسئلہ رفع یدین میں انھوں نے بھی قوتِ سند کی بنیاد پر رفع یدین کو ترجیح دے دی۔

اہلِ مکہ کا تعامل

امام شافعی کے یہاں مسئلہ رفع یدین میں اپنے پیش رو اساتذہ کرام اور مجتہدین کے خلاف رائے قائم کرنے کی تیسری بنیاد اہل مکہ کا تعامل ہے۔ امام شافعی، اپنی والدہ کے ساتھ بچپن ہی میں مکہ مکرمہ آگئے تھے یہیں ان کی تعلیم کا آغاز ہوا، حصول علم کے لیے مدینہ طیبہ بھی جانا ہوا مگر پھر مکہ مکرمہ ہی لوٹ آئے، پھر وفات سے چند سال پہلے مصر منتقل ہوگئے۔

نیز یہ بات آپ کو معلوم ہو چکی ہے کہ ۶۴ھ تک مکہ مکرمہ میں بھی ترک رفع پر عمل تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اقتدار میں آنے کے بعد وہاں رفع یدین کو فروغ حاصل ہوگیا تھا، اس لیے جس طرح تعامل اہل مدینہ، امام مالک کے مسلک کی بنیاد ہے، اسی طرح اس مسئلہ میں امام شافعی کے مسلک کی بنیاد تعامل اہل مکہ ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصۂ مباحث اور ترک کی وجوہ ترجیح

مسئلہ بذات خود اہمیت کا حامل نہیں، اولیٰ وغیرہ اولیٰ کا اختلاف ہے لیکن مناظرانہ

انداز گفتگو نے اس کی اہمیت میں اضافہ کردیا، اس لیے پہلے فریقین کے دلائل کا منصفانہ جائزہ لیا گیا پھر مسئلہ کی تنقیح کے لیے تاریخی شواہد پیش کئے گئے، خلاصہ یہ ہے کہ احادیث دونوں طرف ہیں، امام بخاری نے رفع یدین کو ترجیح دی ہے اور اس کے لیے دو روایتیں پیش کی ہیں لیکن ان دونوں روایتوں سے کسی بھی طرح رفع یدین کا سنت مستمرہ ہونا یا آخری عمل ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہنا پڑتا ہے کہ محدثین یا ان کے اصول کے مطابق فیصلہ کرنے والے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں پائی جانے والی سند کی ظاہری قوت سے متاثر ہوکر رفع یدین کا سرسری اور سطحی فیصلہ کر گئے اور انھوں نے ترجیح پر استدلال سے پہلے مندرجہ بالا حقیقت اور روایت میں پائے جانے والے طرح طرح کے اضطراب و اختلاف کی طرف توجہ نہیں کی، ورنہ امام مالک کی طرح ان کا فیصلہ ترک رفع کا ہوتا۔

یہ تو ہوا امام بخاری کے لیے گئے جائزہ کا اختصار، جہاں تک اس سلسلہ میں پیش کردہ دیگر حقائق کا تعلق ہے تو ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ترک رفع راجح ہے، جس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) رفع یدین کے رواۃ، عہد رسالت میں یا تو جوان صحابہ ہیں یا وہ لوگ ہیں جنھوں نے بارگاہ رسالت میں چند ہی روز قیام کیا ہے، یہ لوگ نماز کے بارے میں نازل ہونے والے تدریجی احکام کے عینی شاہد نہیں ہیں، جبکہ ترک رفع کے راوی وہ صحابۂ کرامؓ ہیں جو ان تمام احکام کے تجربے اور مشاہدے سے گذرے ہیں اور انھیں اول سے آخر تک نماز کے بارے میں نازل ہونے والے تدریجی احکام کا پوری بصیرت کے ساتھ علم ہے، اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۲) رفع یدین کے راوی صحابہ کرام کا عمل ہمیشہ رفع یدین کرنے کا نہیں رہا، ان سے ترک رفع کی روایات بھی بہ سند صحیح منقول ہیں، جبکہ ترک رفع کے راوی صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل ہمیشہ ترک رفع کا رہا، ان سے رفع یدین کا کہیں بھی ثبوت نہیں ہے اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۳) ترک رفع نماز کے سلسلے میں قرآن کریم کی اصولی ہدایت قوموا اللہ قانتین کے مطابق ہے، اور فقہاء احناف روایات میں اختلاف کے وقت قرآنی ہدایات سے

زیادہ توافق رکھنے والی صورت کو ترجیح دیتے ہیں یہ ان کا مقررہ اصول ہے اور اس کی متعدد مثالیں فقہ حنفی میں موجود ہیں، اس لیے یہاں بھی ترک رفع راجح ہے۔

(۴) رفع یدین کی تمام روایات فعلی ہیں، پورے ذخیرۂ احادیث میں ایک روایت بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں رکوع میں جاتے وقت یا رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا امر کیا گیا ہو جبکہ ترکِ رفع کی روایات فعلی بھی ہیں اور قولی بھی، اور قولی روایات، معارضہ سے محفوظ ہیں، جیسے حضرت جابر بن سمرہ کی مسلم شریف کی روایت مالی اراکم رافعی ایدیکم تا اسکنو افی الصلوۃ، یہ روایت ترک رفع کے لیے نص صریح ہے، اور اگر فریق ثانی کے خیال کے مطابق اس کو سلام سے متعلق مان بھی لیا جائے تو اثناءِ صلوۃ میں رفع یدین کی ممانعت اسی روایت سے دلالۃ النص کے طور پر بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۵) نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں احکام کا تغیر توسع سے تنگی اور حرکت سے سکون کی طرف ہوا ہے، تمام فقہاء رفع یدین کے سلسلے میں اسی انداز کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ ظاہریہ کے علاوہ تمام فقہاء محدثین، چند مقامات کے رفع کو احادیث صحیحہ میں ہونے کے باوجود ترک کر رہے ہیں، گویا اس سلسلے میں چند مقامات پر رفع کا نسخ سب کے نزدیک تسلیم شدہ حقیقت ہے صرف دو مقام پر رفع اور ترکِ رفع میں اختلاف ہے، احتیاط کا تقاضہ ہے کہ یہاں بھی انھی روایات کو ترجیح دی جائے جن میں ترک کی بات نقل کی گئی ہے۔

(۶) ترک رفع کے راوی زیادہ زیادہ فقیہ ہیں، تفقہ رواۃ کی بنیاد پر ترجیح دینا بہت سے فقہاء و محدثین کے یہاں پسندیدہ طریقہ ہے، اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۷) عہد رسالت میں ترکِ رفع پر عمل کی کثرت رہی اور رفع یدین پر کم عمل ہوا جیسا کہ حضرت وائل بن حجر کی روایت پر، ابراہیم نخعی کے تبصرہ سے واضح ہے کہ دونوں عمل میں ایک اور پچاس کی نسبت رہی، اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۸) خلافت راشدہ میں ترک رفع کا تعامل رہا، اس لیے ترک رفع راجح ہے۔

(۹) مشہور اسلامی مراکز یعنی مدینہ طیبہ میں امام مالکؒ کے دور تک ترکِ رفع پر تعامل رہا،

مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت سے پہلے ترک رفع پر تعامل رہا اور کوفہ میں ابتداء سے کئی صدی تک صرف ترک رفع ہی پر عمل رہا، اس لیے ترک رفع ہی راجح ہے۔

(۱۰) اساتذہ کے درجہ کے دو بڑے امام، ترکِ رفع کے قائل ہیں، اور تلامذہ کے درجہ کے دو امام رفع یدین کے قائل ہیں۔ اس لیے ترک رفع راجح ہے۔ (واللہ اعلم)